

دوسری جنگِ عظیم کے ہولناک واقعات

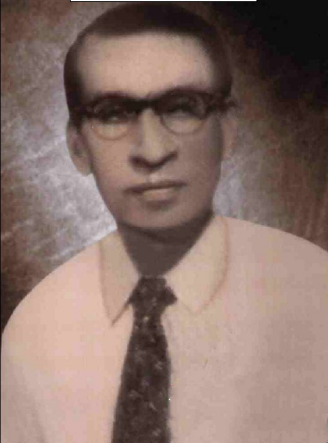
قیسی رامپوری



www.iqbalkalmati.blogspot.com

فائز و سائل

لاہور، راولپنڈی، ملتان، پشاور، حیدرآباد، کراچی



www.iqbalkalmati.blogspot.com

تترتیب

۵	ہمبرگ کی تباہی	۱
۱۱	تارنٹڈی کے ٹخنی ساحل	۲
۲۰	ایک اہم ہوائی حملہ	۳
۲۳	دیہ کیسیرین	۴
۳۰	ایک جنگی چڑیہ دان	۵
۳۴	انجین شکست نہیں دی جاسکی	۶
۴۱	جاپان کا محاذ	۷
۴۹	بحیرہ ہسارک	۸
۵۳	آئو جیما کے ہولناک معرکے	۹
۵۷	شمالی افریقہ کا محاذ	۱۰
۶۳	این زربو ساحل	۱۱
۷۲	علاقہ بتان	۱۲
۸۲	جنگ یاتوہ گشی	۱۳
۸۹	یورپ کی پگڑی ہوتی حالت	۱۴
۹۷	موت کا ٹل	۱۵

پہلی بار _____ ۱۹۷۱
تعداد _____ دوازار
قیمت _____ ۳۹۷۵

مطبوعہ غیر وزنی شدہ - لاہور • باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر و پبلشر

ہیملبرگ کی تباہی

۱۶	— دنیا کی سب سے بڑی جنگ —	۱۰۲
۱۷	— روسی جنگ کے ہوشربا واقعات —	۱۱۱
۱۸	— میگ نیوز کا طلسمی پل —	۱۱۷
۱۹	— عام حملے کی تیاری —	۱۲۱
۲۰	— برلن کی طرف —	۱۲۸
۲۱	— سپر اندازنی اور برلن کا سقوط —	۱۳۸
۲۲	— برلن کی فتح کے بعد —	۱۴۳
۲۳	— برلن پر آخری فائرنگ —	۱۵۱
۲۴	— ہیرو مشیبا —	۱۵۲

دوسری جنگ عظیم ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی اور پھر سال تک نہایت شد و مد سے جاری رہی۔ اس چھ سال کی آتشیں مدت میں جنگ کے مصارف کھریدوں روپے سے بھی زیادہ ہوئے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور صنعت و حرفت کے کتنے ہی ادارے صفحہ ہستی سے ناپید ہو گئے۔ ان کی جگہ پورا یورپ بالخصوص جرمنی ایک اسلحہ ساز فیکٹری بن گیا۔ اور جرمنی نے توجید ترین اسلحہ سازی میں کمال ہی کر دیا تھا۔ اس کا طریقہ جنگ بھی جدید ترین تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے انوکھے ہتھیاروں اور نئے نئے طریق جنگ سے پولینڈ، بلجیم، ہالینڈ، فرانس، فن لینڈ، ناروے، اور سوئیڈن جیسی جمہانی سلطنتوں کو چند روز ہی میں تھس تھس کر کے رکھ دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے کئی محاذوں پر اس قدر ہولناک لڑائیاں ہوئیں کہ ان کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ ان میں انسان کی بے دردی، شقاوت اور بربریت کے ایسے لرزہ خیز مناظر و واقعات ظہور میں آئے کہ آج بھی ان کے تخیل سے روگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

میں شریک ہو چکا تھا۔ اس کے پاس بھی اچھے ہوائی جہاز تھے۔ ادھر اس عرصہ میں برطانیہ نے بھی اپنی فضائیہ کو کافی ترقی دے لی تھی۔ پینا پنچا امریکی اور برطانوی جنگی جہازوں نے اب بڑی تیزی سے جرمنی پر ہوائی ہوائی حملے شروع کر دیے اور چند ہی روز میں فضائی جنگ کا نقشہ بدل گیا۔

ان مقابلوں میں جرمنی کے بہت سے ہوائی جہاز تباہ ہو گئے۔ گورنگ کی کڑی کرکری ہونے لگی اور پھر تو اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے تھکے چا دیا۔ فضائی برتری حاصل ہوتے ہی امریکی اور برطانوی ہوائی جہاز جرمنی کے صنعتی ٹھکانوں پر پے در پے حملے کرنے لگے۔ جرمنی کا مشہور علاقہ ایسبرگ جو جنگی مشینری کا مرکز تھا اور جس کی اتنی حفاظت کی جاتی تھی کہ اس کے آسمان پر پرندہ پر نہ مار سکتا تھا۔ وہ بھی آخر کار برطانوی اور امریکی فضائیہ سے بچ نہ سکا۔

برطانوی فضائیہ تو جرمنی پر خار کھائے بیٹھی تھی۔ کیونکہ اس نے لندن کے بارونق علاقے قتلہ سوان سی، ویلز، پورٹس ماؤتھ اور مانچسٹر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور جس میں لاتعداد معصوم شہری ہلاک ہوئے تھے۔ لہذا برطانیہ نے دل کھول کر بدلے لیے۔ ۱۹۳۹ء سے اوائل ۱۹۴۰ء تک کا دورا بتلا گزر چکا تھا، جس میں برطانیہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا تھا اور اب اس کے ہوائی حملوں کا وقت آ گیا تھا۔ آخر ایک روز تین تین سو کی دو ٹکڑیوں میں اس کے ہٹکا شہر ہوائی جہازوں نے ایسبرگ پر پرواز کی۔ پہلے تو ان جہازوں نے جرمنی کے

محموس ہوتا ہے کہ اس وقت انسان انسان نہ رہا تھا بلکہ وحشی اور درندہ بن گیا تھا، سفید تندیب والا انسانی درندہ۔ لیکن یہ لڑائیاں غیر معمولی شہامت، بہادری، ہونامردی اور حیرت انگیز جہنگی کارناموں سے بھی بھری ہوئی تھیں۔

جرمنی کے پاس جدید ترین ہوائی جہاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک پورے یورپ کو دھن کر رکھ دیا۔ اس کے برعکس اتحادیوں کے پاس پرانے اور سست رفتار ہوائی جہاز تھے جو جرمنی کے آتش بار ہوائی جہازوں کی یلغار سے آٹا فانا تباہ ہو جاتے اور جرمنی کے وزیر جنگ کو شیخی مارنے کا موقع مل جاتا کہ ہمارے لفٹننٹ (جرمن فضائیہ کا نام جس کے معنی بھلی کے ہیں) نے پوری دنیا کو فتح کر لیا ہے، ہم دنیا کی اعلیٰ ترین نسل ہیں۔

جرمنی کی فضائی قوت کا یورپ پر اس قدر عب چھا چکا تھا کہ اس کے ہوائی جہاز ہلاک ٹوک رات دن پولینڈ، بلجیم، ہالینڈ، فرانس اور انگلینڈ پر آگ برساتے رہتے اور کسی ملک کی فضائیہ ان کے مقابل آنے کی جرأت نہ کر سکتی۔ انگلینڈ کے ہوائی جہاز مقابلہ برآتے تو ان کے ٹکڑے اڑا دیے جاتے۔ جرمنی کے ہوائی جہازوں نے لندن کے کثیر حصہ کو کھنڈر کر دیا تھا۔ ان کے حملوں میں لندن کے لاتعداد شہری ہلاک ہوئے، ہزاروں مکانات اور کارخانے تباہ و برباد ہو گئے۔ غرض جولائی ۱۹۴۰ء تک ایک اہتری کا عالم رہا۔ اب امریکہ بھی جنگ

افراد کی لاشیں لگی کوچوں میں سڑ رہی تھیں جنہیں کوئی اٹھانے والا باقی نہ رہا تھا۔

اندازہ کیا جاتا ہے کہ ہیمبرگ کے تین بڑے حملوں میں برطانوی اور امریکی ہوائی ہمازوں نے بارہ سو سے زائد بڑی بڑی مائن پھینکی تھیں اور تیس لاکھ کے قریب چھوٹے بڑے بم برسائے تھے۔ آگ لگ جانے کی وجہ سے شہر کا بیشتر علاقہ بھیسی کی طرح دھکنے لگا تھا۔ طیش کی شدت سے سانس لینا مشکل ہو گیا تھا، مگر ابھی ہیمبرگ تمام تر تباہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا وسطی علاقہ بے شک ختم ہو گیا تھا لیکن مضافاتی علاقے جنوز باقی تھے۔ لہذا تباہ حال لوگ جوق در جوق گرتے پڑتے مضافات کی جانب بھاگنے لگے کیونکہ شہر میں آگ کی شدید طیش، لا تعداد آتش گیر مادہ اور بموں کے پھٹنے سے اس قدر حدت بڑھ گئی تھی کہ لوگوں کے دم گھٹنے لگے تھے۔ اکثر لوگوں کے کپڑوں اور جموں تک میں آگ لگ گئی تھی اور وہ گھبرا کر آگ بھانے کی خاطر نہروں میں کود پڑے تھے اور ڈوب کر مر گئے تھے۔

ابھی چند ماہ پہلے جب جرمنی کے ہوائی ہمازن دن کو گھنڈر کر رہے تھے تو لندن والے بموں اور مکانون کے طبع سے بھی ہلاک ہوئے تھے۔ اور کڑا کے کی سردی اور مسلسل بارش نے بھی ہزاروں مردوں، عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی جان لے لی تھی مگر اب ہوائی جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ اب اتحادیوں کے شہروں کی بجائے جرمنی کی بستیوں اور علاقوں

راڈر نظام کو معطل کیا۔ اس کے بعد شدت سے پھٹنے والے بے شمار بم ہیمبرگ پر برسائے شروع کر دیے۔ اس غضبناک ہوائی حملے جرمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مگر تو ابھی ابتدا ہی تھی جب ہوائی حملہ ختم ہوا تو ہیمبرگ میں پندرہ سو سے زیادہ آدمی ہلاک ہو چکے تھے اور شہر کے بیشتر حصہ میں آگ لگ چکی تھی۔ دوسری جانب سیلانی اور مواصلات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

دوسرے روز سہ پہر کو جب کراچی کھلی کی بیماری سے لگی ہوئی آگ پر قابو نہ پایا جاسکا تھا۔ پھر سائرن بجنے لگے اور ایک سواسی فلائنگ فورس قسم کے ہوائی ہماز گھنے بادلوں کو چیرتے ہوئے نمودار ہو گئے۔ انھوں نے ہیمبرگ کی بندرگاہ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ مگر ہیمبرگ کا ختم ہونا آسان نہ تھا۔ کیونکہ اس شہر کی حفاظت کا بڑا سامان کیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں تین ہزار کارخانے تھے جن میں سے زیادہ تر سامان جنگ ہی بنیاد کرتے تھے جو جرمنی کے محاذوں پر بھیجا جاتا تھا۔ ان کارخانوں کی پھتیں اور گودام وغیرہ زمین دوز بھی تھے اور کانکریٹ کے نہ ہوئے بھی۔ جن پر بمباری کا اثر ہونے کا بہت کم اندیشہ تھا۔ جرمن کہ ان کم اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ ہیمبرگ میں فائر بریگیڈ کا بھی بہت اچھا انتظام تھا جس کا عملہ تین ہزار چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے پاس دو سو اٹھاسی اعلیٰ درجہ کے ٹرک بھی تھے لیکن اس جادہ دشمن اور فوجی استحکام کو برطانوی فضائیہ نے صرف دس روز کے اندر تروا لاکر کے رکھ دیا۔ اسی ہزار سے زیادہ

نارمنڈی کے خونی ساحل

نارمنڈی کے ساحلوں پر فوجیں اتارنا اتحادیوں کا عظیم ترین کارنامہ ہے کیونکہ ان ساحلوں کے چھپے چھپے پرجوین افواج کی مقبوضہ قلعہ بندی تھی پھر بھی جنرل آئزن ہاور نے جن کے سپر دیو پ کی اعلیٰ کمان تھی ایک رات کی تاریکی میں امریکی و برطانوی پیراٹروپ نارمنڈی کے خطرناک ساحلوں پر اتار دیے۔ ایک سو ایک ڈویژن کے یہ پیراٹروپ جرمن ڈویژن نمبر سات سو نو کے بالکل قریب کچھ اس طرح اپنا ٹانگ اترے کہ جرمن ہیڈ کوارٹر نہ صرف حیران رہ گیا بلکہ سخت ہلکا بھی اٹھا پھر برطانوی اور امریکی پیراٹروپ نے نارمنڈی کے پانچوں مقبوضہ ساحلوں پر ایسی تباہی مچائی کہ جرمن افواج کے سینکڑوں جوان کھیت رہ گئے تاہم جرمن فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

صبح ہوتے ہوتے اتحادیوں کی فضا نیہ نے حملہ کا آغاز کر دیا مگر موسم نامساعد ہونے کے باعث یہ حملہ زیادہ موثر ثابت نہ ہو سکا۔ بہت کم بم صبح ٹھکانے پر گر سکے، بیشتر ضائع گئے یا ٹھکانوں سے ہٹ کر گئے مگر یہ بات بھی اتحادیوں کے حق میں ایک طرح سے مفید ثابت ہوئی کیونکہ

میں اتحادیوں کی فضا نیہ نے تباہی مچا رکھی تھی جن میں ہیمر برگ بھی شامل تھا۔ مگر ابھی ہیمر برگ میں جان باقی تھی لہذا اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے تین سو لاکھ ستر ہزاروں نے پھر ہیمر برگ اور اس کی مضافاتی بستیوں پر حملہ کیا۔ برطانیہ کا یہ آخری حملہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہیمر برگ اس قدر تباہ ہو گیا کہ جنگ کے خاتمہ تک پھر سنبھل نہ سکا۔

برطانیہ نے ہیمر برگ مٹا کر فضا نی جنگ میں نیچا دکھا دیا تو اس کے ہوائی جہازوں نے ڈریسڈن کا بھی یہی حشر کیا۔ برطانیہ کے ان حملوں میں ایک لاکھ دس ہزار نفوس مارے گئے۔ مگر یہ اس کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد برطانوی اور امریکی بحری بیڑا برلن کی تباہی کے لیے روانہ ہو گیا۔ حالانکہ اس کی تسخیر ابھی بہت دور تھی۔



U.S. Army troops waded ashore on Omaha Beach on the morning of 6 June 1944, (planned for the morning of 5 June, but delayed one day due to bad weather).

جن جن مقامات پر یہ بم گرے تھے وہاں بارودی سرنگیں چھپی ہوئی تھیں۔
بعضیں جرمن افواج نے ہر طرف بھجھا رکھا تھا۔ ان بموں سے بہت سی
سرنگیں پھٹ گئیں۔ اس طرح گویا اتحادیوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا
تھا۔ مگر ابھی بہت سی رکاوٹیں باقی تھیں۔

بموں کے نشانے خطا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تقریباً پورے ساحلی علاقے
پر کٹر چھانی ہوئی تھی جس سے ایک فائدہ بھی ہو کہ اتحادیوں کا بحری
بیڑا ہونا رمنڈی پر لینڈنگ کے لیے چلا آ رہا تھا اسے کمر کی چادر نے
چھپا لیا۔

جرمن فوجوں نے تمام ساحلی علاقوں پر اپنا مضبوط دفاع قائم کر
رکھا تھا۔ اس دفاعی لائن کو توڑنا بڑا مشکل کام تھا کیونکہ ان تک پہنچنے
کے لیے گزرگاہیں کافی تنگ تھیں۔ اس موقع پر اتحادیوں کی فوجیں اگر
جرمن کے جدید اسلحہ کے مقابل میں شکست کھا جاتیں تو انھیں سمندر کی تہ
کے سوا کہیں پناہ نہ مل سکتی۔ لیکن نارمنڈی کے سواحل کو جرمن افواج
سے خالی کرنا بھی نہایت ضروری تھا خواہ اتحادیوں کو اس کی کتنی ہی
قیمت ادا کرنا پڑتی۔ آخر اتحادیوں کے چوتھے ڈویژن نے شدت سے
حملہ شروع کر دیا۔

اس پہلے حملہ کی پہلی صفت میں ایک نامور باپ کا نامور بیٹا بریگیڈیر
جنرل تھیوڈور روز ویلٹ جونیر (صدر روز ویلٹ کا لڑکا) بھی شامل تھا۔
اسٹنٹ ڈویژن کمانڈر کی حیثیت سے جنرل روز ویلٹ جونیر کو ایک

رعایت حاصل تھی اور وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کا پورا مستحق
بھی تھا کہ وہ کسی محفوظ گاڑی میں سوار ہو کر حملہ میں شریک ہو مگر اس نے
ایسا نہیں کیا بلکہ ایک معمولی سپاہی کی طرح حملہ آور فوج کی اگلی صف
میں آکر ہوا اور خطرات مول لیے بغیر جرات و شجاعت کے جو ہر نہیں
کھلتے۔ چنانچہ بہادر جونیر روز ویلٹ اس حملہ میں کام آگیا۔ جنگ نہ معلوم
ایسے ایسے کتنے سپوتوں کو خاک و خون میں ملا دی تھی ہے۔ غرض اب جرمن کی
توپیں جھنگڑ رہی تھیں، ادھر اتحادیوں کی توپیں آگ برسانے میں مصروف
تھیں۔ نارمنڈی کے نو فی ساحلوں پر سولے دھوئیں اور گرد و غبار کے
کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لڑنے والی اور لڑتی ہوئی مرنے والی فوجوں کا کوئی اندازہ
نہ لگا سکتا تھا۔ سمندر کی ضدی موجوں کی طرح فوجیں ایک دوسرے پر ٹوٹی
پڑ رہی تھیں۔ امریکی فوجیں لینڈنگ کے لیے جان لڑا رہی تھیں اور جرمنی
کی دفاعی افواج ان کا صفایا کر رہی تھیں کہ اچانک بیروں تلے بارودی سرنگیں
پھٹنے اور سرموں پر گولے برسنے سے امریکی فوجوں کے پرچھے اڑ گئے۔ نارمنڈی
کے ریتیلے ساحل پر ہر طرف انسانی جموں کے ٹکڑے پھیل گئے تھے۔ آخر
چوتھا اور چوبیسواں اسکاؤٹن جان کی بازی لگا کر ایک ساحلی علاقہ کو
فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ریتیلے ساحل انسانی خون سے لالہ زار ہو چکا
تھا۔ اس حملہ کے بعد اتحادیوں نے اپنا دباؤ کم نہ ہونے دیا۔ جتنا سپاہی
موج در موج بڑھتے رہے۔ کچھ توپوں اور مشین گنوں کا قلعہ بن گئے، جو
زندہ بچے ان کے قدم پیچھے کے بجائے آگے ہی پڑتے رہے۔

یہی کیفیت جرمنی کی دفاعی فوجوں کی بھی تھی۔ کئی گھنٹے تک یہ طوفانی جنگ جاری رہی جس میں کشتوں کے پستے لگ گئے۔ اتحادیوں نے جرمن دفاع پر تین طرف سے حملہ کیا تھا یعنی فضائی، بحری اور برسی لیکن یہ لیٹار جرمن دفاع کو نہ توڑ سکی۔ جرمن برسی اور فضائی حملہ کار بڑی پائری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر اتحادیوں کے بحری بیڑے نے انھیں زیادہ پریشان کر دیا۔ حالانکہ وہ ساحل کے قریب والی کئی کشتیوں کو تباہ کر چکے تھے پھر بھی بحری حملہ ان پر برابر دباؤ ڈال رہا تھا۔ یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک جاری رہا بار بار ان کے بوائی حملوں سے امریکی فوجوں کے پیر اکھر گئے مگر برٹش آرمی کی بروقت کمک نے انھیں بچا لیا۔ اب جرمنی سے اس کے ساحلی مورچہ کو خالی کرانے کی یہی صورت تھی کہ اس کی ٹامی گنوں، معین گنوں اور توپوں کو کسی طرح خاموش کر دیا جاتا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے برطانوی فوجوں نے فضائی حملوں میں شدت پیدا کر دی۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور گھسان کی جنگ کے بعد جرمنوں نے مورچہ خالی کر دیا۔ مگر ابھی نارمنڈی کے ریتیلے اور دلدلی ساحلوں پر جرمنی کی کئی مضبوط دفاعی لائنیں باقی تھیں اور شدید جھڑپوں کے باوجود وہ لوگوں کی فوجیں تھکنے کا نام نہ لے رہی تھیں۔ لاش پر لاش گر رہی تھی۔ مگر سپاہیوں کے سوشلے بدستور بلند تھے۔ موت سپاہی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، بالخصوص وہ سپاہی جو کسی اچھے مقصد کے لیے لڑ رہا ہو۔ بہر حال اس حملے میں اتحادیوں کے دو سو آدمی کام آئے اور

بے شمار زخمی ہوئے جن کے خون سے نارمنڈی کے ساحل سرخ ہو گئے۔ تاہم ابھی اتحادیوں کے سامنے نارمنڈی کے محاذ پر اوہا جیسے خطرناک ساحل پر فوجیں تارنے کا جان ابوابر حملہ باقی تھا۔ جس کے متعلق اتحادیوں کے جاسوسی حکم کو مطلق معلوم نہ تھا کہ وہاں جرمنی کی فوج کی کتنی تعداد ہے اور اس پر خطر مورچہ پر دشمن کا دفاع کتنا مضبوط ہے۔ ایسے حالات میں اوہا پر فوج اتارنا موت کو دعوت دینا تھا۔ لہذا موت اپنا سراج واصل کر کے رہی۔ ہوا یہ کہ کشتیاں جب جی آئی (امریکن سپاہی) اور ٹامیوں (انگریز سپاہی) کو اوہا پر اتارنے کے لیے آگے بڑھیں تو جرمنوں نے انھیں توپوں پر دھڑلایا۔ نتیجہ نکلا کہ چند ہی منٹ میں اتحادیوں کی دس بارہ کشتیوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اس طرح کئی سو امریکی و برطانوی فوجی لڑنے کی حسرت دل میں لیے ہوئے غرق ہو گئے، بہت سے تاریکی کی وجہ سے دلدل میں پھنس کر مر گئے اور سینکڑوں جرمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اتنی شدید تباہی کے باوجود اتحادیوں کے سپاہیوں سے لدی ہوئی بہت سی کشتیاں گر تھیں پڑتی برابر آگے بڑھتی رہیں حالانکہ کشتیوں میں سے پانی میں کودتے ہوئے سپاہی جرمن گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ اس کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہا اور سپاہی سینے سینے پانی کو عبور کرتے رہے جرمن سپاہیوں کی گولیاں کسی کا بھیجا پاش پاش کر دیتیں اور کسی کا سینہ چھلنی کر دیتیں۔ ساحل کا پانی ان کے خون سے سرخ ہو جاتا اور وہ اپنی بندوبست استعمال کیے بغیر ہی سمندر کی تہیں جا بیٹھے۔ کوئی اوٹ یا لڑائی

کے ساحلوں پر دشمن کی صفات قائم بھی ہوئی ہے۔ ہیل ہیلہ کو مبارکبادیں
لیکن جرمن کمانڈر نے شادمانی کا یہ پیغام روانہ کرنے میں عجلت
کی تھی کیونکہ اتحادی اب بھی جرمنوں سے نارمنڈی کو خالی کرانے کے
لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھے۔ امریکن کمانڈر کرنل ٹمپسن
نے پوری کیفیت سے اپنے ہیڈ کوارٹر کو آگاہ کیا۔ وہاں سے جواب
آیا کہ صفیں درست کر کے پھیلے حملہ کے تجربہ کو سامنے رکھ کر دوسرا شدید
حملہ کر دیا جائے چنانچہ ساحل پر فوج اتارنے کے لیے بہت سی کشتیاں
اور لائیں سمندر کی غضب ناک موجوں پر ڈگمگاتی ہوئی نو دوا رہنے
لگیں۔ اب اتحادیوں کی کوسوں مشکلات کی عاری ہو چلی تھیں لہذا ساحل کے نینے
میدانوں میں بے دریغ اپنا خون بہانے کو اترنے کی تیاری کر لے لگیں۔
بڑے افسروں سے لے کر کیفیٹیننٹ اور وولانٹیرس کچھ اپنے مردوں
کی کچھ چلی اور ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کی اوٹ لے کر آہستہ آہستہ قدم جاتے
ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ انسان کی زندگی پھر سستی ہو گئی۔ آخر اتحادیوں
کے کچھ سپاہی دشمن کے بائیں بازو تک پہنچے ہیں کامیاب ہو گئے۔ ان
میں سے بیشتر کا صفایا ہو گیا پھر بھی ان کے قدام نہیں ڈگمگائے۔ اب
اتحادی فوجوں نے اتنی شدید گولہباری کی کہ جرمنوں کی دفاعی لائن کمزور
پڑ گئی۔ انفینٹری برابر مشین گنوں اور ٹھومی گنوں سے فائر کرتی رہی کچھ
امریکن دشمن کے عقب میں بھی جا پہنچے تھے۔ ان میں سے بہت سے مارے
گئے مگر جرمنوں کا یہ مورچہ بھی ختم ہو گیا۔ بہت سے اتحادیوں کے سپاہی

سامنے نہ تھی اتحادیوں کے سپاہی جس کی پناہ لے کر دشمن پر گولیاں چلا سکتے
اس کے علاوہ یہاں اتحادی اپنی فضا تیرے بھی مدد دینے سے قاصر تھے۔
کیونکہ آسمان پر کھرچھا رہی تھی۔
بہر طرف لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے، اتحادیوں کی انفینٹری نمبر ۱۱
تمام کی تمام ختم ہو گئی تھی اور ان کے اٹھارہ ٹینکوں میں سے صرف چھ
ساحل پر پہنچ سکے تھے، وہ بھی گرد و بار اور دھوئیں کی وجہ سے صحیح کام
کرنے سے قاصر تھے۔ انفینٹری نمبر ۱۱ کے تقریباً تمام افسر پہلے ہی حملہ
میں مارے جا چکے تھے۔ اسی طرح ساٹھ فیصدی انجینیئر بھی ڈھیر ہو گئے تھے۔
اب دشمن کی بارودی سرنگوں کو کون صاف کرتا۔ بہر حال اتحادیوں کی جو رگرت
اوناٹا کے ساحل پر یعنی نارمنڈی کے دوسروں ساحلوں پر بھی تقریباً ان
کی ایسی ہی مٹی پلید ہوئی۔ نارمنڈی کے ساحلوں کا جرمن کمانڈر اپنی
فتوحات پر مطمئن اور خوش تھا۔ کیونکہ اس نے حملہ آور امریکیوں اور انگریزوں
کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہائی کمان دان ریٹ
اور جنرل رومیل کے پاس خوشی کا پیغام روانہ کیا۔ اتحادیوں کے حملوں
کو روک دیا گیا ہے، دشمن پر ہم نے ایسی ضرب کاری لگائی ہے کہ اس
کے ہزاروں فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس کی لا تعداد
سپاہ کو زخمی کر کے رکھ دیا ہے جو اب تک خاک و خون میں لٹھری ہوئی
رسک رہی ہے۔ اسے اٹھانے تک کو شاید کوئی باقی نہیں رہا، اس کی
بے شمار فوجی گاڑیاں، کشتیاں اور ٹینک جلے ہوئے پڑے ہیں نارمنڈی

بنا لیا گیا۔ ایک دوسرے مورچہ پر بھی انگریزی فوج ایک ایسے خطرناک مقام پر اتری جو جرمن افواج کی صاف زمیں تھا۔ یہاں پر بھی بہت سے انگریز مارے گئے مگر ان کے قدم چمے رہے آخر انھوں نے ایک تیز حرکت کر کے اس اہم ساحلی علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ غرض نارمنڈی کے ساحلی حصہ پر جرمن دفاع تقریباً بے جان ہو گیا۔

شام ہونے تک انگریزی افواج نارمنڈی میں پانچ میل تک داخل ہو چکی تھیں اور ان کا پیش خم یہ کہن کے نواح سے زیادہ دور نہ رہا تھا۔ کین آخری اور نہایت اہم مقام تھا اور جرمن دفاع کا سب سے سخت مورچہ تھا۔ اسے بچانے کے لیے جرمن جان پر کھیل جانے کی تیاری کر چکے تھے لیکن جون کے ابتدائی ہفتہ میں انگریزی فوج کا میابی سے اس کے قریب اتر گئی اور اس نے مورچے سمجھا لیے۔ رات ہونے تک پچھلے پانچوں ساحلی علاقے فتح ہو چکے تھے جن کے ریتیلے میدانوں میں انسانوں کا خون جذب ہونے کے بجائے بہ رہا تھا۔ اس پرزخمیوں کی کراہ آہ و بکا کا ایک لرزہ خیز منظر پیش کر رہی تھی لیکن ابھی دوسرے بہت سے مفتوحہ علاقوں سے جرمن افواج کو نکالنا باقی تھا اور اس کے لیے سخت ہولناک جنگیں لڑنی تھیں۔ اس کے بعد مقدور ساتھ دیتا تو اتحادیوں کے لیے برلن کی راہیں ہموار ہو سکتی تھیں۔

منقرضہ ہے کہ باد و باران اور طوفان تو نارمنڈی کے ساحلوں سے خون کے نشانات کو مٹا سکتے ہیں مگر انسان کی شجاعت و بہادری کی یادگاروں کو امتداد زمانہ بھی محو کرنے سے قاصر ہے !

مرتے گرتے اونچائی پر جا چڑھے اور وہاں سے جرمنوں پر آگ برسانے لگے۔ اس طرح متعدد اہم مقامات پر سے مسلسل فائرنگ کے سبب جرمنوں کا دفاع کئی جگہ سے کمزور پڑ گیا۔ بہر صورت گھسان کے رن کے بعد ادماہا کا خطرناک اور اہم ساحلی سہ پرتنگ جرمنوں کے قبضہ سے نکل گیا، جہاں چاروں طرف انسانوں کی ان گنت لاشیں بکھری پڑی تھیں یہ ایک بہت ہی ہولناک منظر تھا۔

تاہم ابھی جرمنوں کے کئی مضبوط مورچے باقی تھے جن کی تسخیر کے لیے انگریزی فوج کا پچاسواں ڈویژن کشتیوں اور لانچوں کے ذریعہ ساحل پر اترنے کے لیے آگے بڑھا۔ انگریز سپاہ تو جرمنوں پر غار کھائے بیٹھی تھی کیونکہ انھوں نے کئی ماہ تک مسلسل لندن پر بم برسا کر ہزاروں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جن میں بچے، عورتیں، بوڑھے اور جوان سب ہی شامل تھے۔ جرمنوں نے اس محاذ پر بھی ڈٹ کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور ان کے تقریباً دو سو آدمیوں کا معفیا کر دیا مگر انگریزی فوج نے ان کا پچھپچھانہ چھوڑا۔ آخر جان لڑا کر جرمنوں سے یہ مورچہ بھی خالی کر لیا۔ اس میں جرمنوں کے بھی بہت سے سپاہی کام کئے۔ ساحل کی گیل اور سیاہی مٹی ان کے خون سے رنگ گئی اور بہت سا جنگی ساز و سامان تباہ ہو گیا۔ اب انگریزی فوج نے جرمن دفاع کے عقب میں اتر کر تباہی مچا دی جرمن فوج کے بہت سے سپاہیوں نے جان بچانے کے لیے بھاگنے کی کوشش کی مگر انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ جو زندہ بچے تھے انھیں قیدی

ایک اہم ہوائی حملہ

جرمنی کا دفاعی نظام کامیاب رہا اور حملہ آوروں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اس معمولی نقصان سے اتحادیوں کا ہوائی بیڑا بدول نہیں ہوا۔ اس نے بم برسائے شروع کیے۔ موسم خراب تھا جس کی وجہ سے بم نشانہ پر نہیں گرے۔ زمین پر سے بے شک دھوئیں کے بادل اُٹھتے دیکھے گئے۔ شاید یہ دھواں ریلوے لائن اور اس سے متعلقہ علاقوں میں آگ لگ جانے سے اُٹھ رہا تھا۔ کیونکہ زمین پر اونچے اونچے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ چونکہ نیچے سے برابر آگ لگ گئی کی فائرنگ جاری تھی اس لیے ہوائی جہازوں کی فائریشن ترتیبی لائن) بار بار ٹوٹ جاتی تھی۔ آخر زمین کی فائرنگ کا ایک گولہ پکستان کے ہوائی جہاز پر آکر لگا جس سے جہاز کے بازو میں ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا۔ پھر بھی جہاز تباہ ہونے سے بچ گیا۔

چند ہی منٹ بعد حملہ آور ہوائی جہازوں پر کئی گولے اور بھی آکر لگے جن میں سے چند کے تو مکڑے آگئے بعض میں سوراخ ہو گئے۔ آخر حملہ آور اپنے بیڑے کو پلاستی پر سے گزارتے ہوئے آگے نکال لے گئے اور واپس بن غازی لوٹ آئے۔ کیونکہ ان کے کئی ہوا باز زمین کی فائرنگ سے زخمی ہو گئے تھے اور کئی کو سخت نقصان پہنچا تھا لیکن وہ جلد ہی پھر پلاستی جا پہنچے اور پھر مباری شروع کر دی۔ اتحادیوں کا یہ حملہ بھی ناکام رہا اور وہ پھر بارگرواپس آگئے۔ تیل صاف کرنے کے کارخانوں کو معمولی سا نقصان پہنچا جن کی مرمت جرمن انجینیروں نے فوراً کر لی۔

اتحادیوں کا ایک ہوائی بیڑا بن غازی (لیبیہ) میں مقیم تھا، ایک دن اسے حکم ملا کہ پلوسی پر حملہ کیا جائے جہاں جرمنی کا تیل صاف کرنے کا زبردست کارخانہ تھا اور دور دور تک تیل کے گہرے کنویں موجود تھے جن کی حفاظت کا انتظام جرمنی نے بڑے مستحکم انداز میں کیا تھا۔ یہاں ایک ایک گن کے اعلیٰ انحصار کے علاوہ جرمنی کا ہوائی بیڑا بھی تھا۔ پلوسی کے کارخانے رومانیہ کے دارالسلطنت بخارست کے شمال میں واقع تھے۔ چونکہ رومانیہ پر جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا اس لیے تیل کے چشموں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی جرمنی نے لے لی تھی بہر حال اتحادیوں کے 24-8 کے ایک سو اسی ہوائی جہاز پلوسی پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے جن میں لب (118) ماڈل 11 ہوائی جہاز بھی شامل ہو گئے لیکن ان میں سے دو اڑان لیتے وقت ہی تباہ ہو گئے۔ یہ ہوائی بیڑا بخارست سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب پلوسی پر پہنچا تو زمین کی فائرنگ سے اس کے تین چار ہوائی جہازوں کے مکڑے ہو گئے اور ان کے ہوا باز بھی مارے گئے۔ یہ گویا اس حملہ کی ابتدا تھی جس میں

درہ کیسرین

بلاشبہ جرمن طوفان جب اٹھا تھا تو اس لئے یورپ اور ایشیا کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تیونس کے اردو، وادیوں اور پہاڑیوں کے اس طرف صیدی بوسند تک کے تمام علاقہ پر جرمنی افواج کا قبضہ تھا اور یہاں انہوں نے ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور دوسرے جدید قسم کے فوجی ساز و سامان کے ساتھ بڑا مضبوط دفاع قائم کر رکھا تھا جس میں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی بھی پوری طاقت تھی۔ مگر چند ہی میل کے فاصلہ پر امریکیوں کی دفاعی لائن تھی جس میں ٹینک اور ٹینک شکن توپیں بھی موجود تھیں۔ بیشتر شرمین ٹینک تھے جو یکے بعد دیگرے جرمن لائن پر حملہ کے لیے بڑھ رہے تھے۔ بغرض ایک ایک کر کے پچیس ٹینک حرکت میں آ گئے تھے جن کا تعلق امریکہ کی پہلی بکٹر بند ڈویژن سے تھا۔ جرمنوں نے امریکی ٹینکوں کے نو وار ہوتے ہی اپنی ٹینک شکن توپوں کے منہ کھول دیے نتیجہ میں کئی ٹینک تباہ ہو گئے اور ان میں آگ لگ گئی۔ اس سے جرمنوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آخر شرمین ٹینکوں کو چھپے ہٹنا پڑا۔ جرمن اسی کے منتظر تھے۔ انہوں

۱۹۴۴ء میں اتحادیوں نے پھر پلاستی کے تیل کے چشموں پر ہوائی حملہ کیا۔ اب ان کے پاس لمبی پرواز والے ہوائی جہاز تھے۔ یہ حملہ اٹلی کے ٹسکانوں پر سے کیا گیا تھا۔ اس میں بڑی خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ جرمن ہوائی جہازوں نے بھی سخت مقابلہ کیا۔ ان کے لڑاکا طیارے اتحادیوں کے بمباروں کی صفوں میں گھس بھٹتے اور تباہ ہو کر یا تباہ کر کے چلے جاتے۔ دوسری طرف زمین کی توپوں نے ناک میں دم کر دیا تھا۔ مگر اتحادیوں کے ہوا باز پلاستی کے تیل کے چشموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے پر تے ہوئے تھے یہ چشمے جرمنی کے لیے نہایت اہم تھے۔ جرمنی نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں تیل کے ذخائر پائے پہلے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔

غرض کافی عرصہ تک ہوائی جنگ جاری رہی جن میں اتحادیوں کے چھ سو ہوا باز افسر کام آئے مگر وہ پلاستی کی رفتار کی اور تیل کے چشموں کو بالکل تباہ کر کے رہے جو انسانی عزم کی ایک عظیم فتح تھی۔



15th Air Force B-24s leave Ploesti, after one of the long series of attacks against oil targets, flying through flak and over the destruction created by preceding waves of bombers.

فوج کا ہوا تھا۔

اس کے چند ہی روز بعد جرمن جاسوسوں نے یہ اطلاع فراہم کی کہ جرمن آئرن ہاور اپنی منتشر افواج کو جمع کر کے کسی تازہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ چالاک ریٹیل نے آئرن ہاور کی کوششوں کے بار آور ہونے سے قبل پیش قدمی شروع کر دی اور ۱۴ فروری ۱۹۴۳ء کو ایک سو پچاس ٹینکوں کی گولڈنہیٹ سے زمین لرزنے لگی جو تین طرف سے درہ فیض میں داخل ہو رہے تھے۔ اس طرح جرمنوں نے درہ فیض سے چھ میل آگے بڑھ کر امریکیوں کی فوج اور ان کے توپ خانہ کو جالیا اور ان پر تین طرف سے حملہ کر دیا۔

جرمنی کی دسویں پیسر ڈویژن نے درہ کیسرن کو گھیر لیا، جس میں بیس ٹینک بھی شامل تھے اس دو طرفہ حملے اور حصار میں ہزاروں امریکی فوجی اپنی بڑی لاش سے کٹ گئے اور گرفتاری کے خطرے میں پڑ گئے۔ جرمن فوج نے ایک اہم پہاڑی پر بھی قبضہ کر لیا تھا جہاں امریکہ کے تقریباً پچیس ٹینک موجود تھے ان میں سے پانچ ٹینک تباہ کر دیے گئے۔ جرمنوں کے بھی تین ٹینک ضائع ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد امریکہ کے چالیس ٹینک اور آگئے۔ اب جرمن ٹینکوں کو فوراً چھپے ہڈیا پڑا مگر جرمن ٹینک شکن توپوں نے ان میں سے بھی کئی ٹینک تباہ کر دیے کیونکہ جرمن ٹینک بھاری ہونے کی وجہ سے جلد حرکت نہ کر سکتے تھے۔

چونکہ جرمنی کی فوجوں نے طروق اور الائن میں ٹینکوں کی بہت

نئے اپنی ٹینک شکن توپوں کی مار چار سو گز تک بڑھالی اور امریکی ٹینکوں میں ایک تباہی مچا دی۔ جرمنوں کو پچھلے کئی ہفتوں سے ان ٹینکوں کا انتظار تھا لیکن جنرل مننگمری کی وجہ سے کاروائی رکی ہوئی تھی۔ آخر چند روز بعد جرمنی کے مشہور جنرل ہیڈل کے فیصلہ کی بنا پر ٹینکوں کی جنگ شروع کر دی گئی۔ حالانکہ رومل جنرل مننگمری کی تازہ آٹھ سو ڈویژن کے عقبی حملہ کو روکنے میں سخت دشواری محسوس کر رہا تھا۔ اس کی پالیسی دراصل یہ تھی کہ آگے بڑھ کر امریکہ کی نا تجربہ کار فوج پر حملہ کر دے جو فیض خطا کے علاقہ میں جنرل مننگمری کے زیر کمان طاقت ور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اسی بنا پر اس نے تیس جنوری کو تیونس کے درہ فیض پر ٹینکوں سے شدید حملہ کر دیا جہاں فرانسیسی رجمنٹ دفاع پر مامور تھی۔ جرمن افواج نے اس کا صفایا کر دیا تھا۔ جنرل رومل اپنے حریفوں کی تمام کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کبھی بوسنہ کے اگلے علاقہ میں اتحادیوں کی افواج بڑی تیاری کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ ان کی فیض پر ہاتھ کھٹنے کے طور پر اس نے چند ٹینک اس طرف روانہ کر دیے تھے۔ ریٹیل کی یہ کاروائی کامیاب رہی۔ امریکی بڑھ کر درہ کے دہانے تک آگئے جہاں رومل کا دستران کا اخیر مقدم کرنے کو مجبور تھا۔ امریکیوں نے اس درہ پر دو شدید حملے کیے تاکہ اس پر قبضہ کر لیں۔ لیکن جرمنوں کی آڑ لگا نے انہیں بھون کر رکھ دیا، امریکیوں کو جنگی نا تجربہ کاری کی بنا پر شدید نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور ان کا بھی وہی حشر ہوا جو فرانسیسی

روئے امریکہ کی پندرہویں رجمنٹ نے ورہ کی دوسری طرف بحیب العلون کے قریب سے جو ابی حملہ کیا لیکن اس میں بھی بہت سے امریکی مارے گئے اور ان کے کئی ٹینک تباہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ شام ہونے سے قبل شیطلہ کے میدان کی طرف انھیں بری طرح پسپا ہونا پڑا۔ اور جبل کا سرہ تک پہنچتے پہنچتے ان کی پوری رجمنٹ کا صفایا ہو گیا۔

امریکی فوجیں حقیقت میں منتشر تھیں، لہذا دوسو ٹینک ہونے کے باوجود انھیں جرمن توپوں نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اگر وہ منتشر ہونے کے بجائے ایک یونٹ بن کر اجتماعی حملہ کرتیں تو ان کا یہ حشر نہ ہوتا۔ بہر حال رات تک ورہ فیض کا تمام میدان امریکیوں کے ٹوٹے پھوٹے سازوسامان سے ڈھکا ہوا تھا۔

کئی روز تک یہی حالات رہے یہاں تک کہ سترہ تاریخ کو امریکیوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ساتھ ایک بڑا حملہ کیا۔ فوجیں پہلے تو خاموشی سے برہتی رہیں لیکن جرمن جب صرف چھ سو گزر رہے تھے تو انہوں نے ان پر ٹینکوں توپوں اور مشین گنوں سے ایسا شدید حملہ کیا کہ میدان جنگ قیامت کا منوہ نظر آنے لگا۔ ایک ہی حملے میں جرمنی کے بیس ٹینک ضائع ہو گئے اور بہت سے سپاہی مارے گئے آخر جرمنوں کے پیر اکھر گئے لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ انھوں نے پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ نقشہ جنگ پلٹ گیا، شیطلہ امریکیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ ورہ کی طرف بھاگنے لگے۔ رات گئے تک امریکی فوج کے ہاتھ سے

ابھی مشق کی تھی لہذا اس جنگ میں ان کے ٹینک ہر مقام پر امریکی ٹینکوں پر بھاری پڑ رہے تھے۔ جرمن ٹینک بڑی ترکیب سے حملہ کرتے اور اتحادیوں کے ٹینکوں کو تباہ کر دیتے۔ حالانکہ اتحادیوں کے ٹینک دور مار بھی تھے اور ان کا نشانہ بھی اچھا تھا مگر اتحادیوں اور بالخصوص امریکیوں کو ٹینکوں کی لڑائی کی ابھی مشق نہ تھی۔ پھر بھی برطانیہ کے ٹینک جرمن ٹینکوں کا خوب مقابلہ کر رہے تھے اور اکثر غالب بھی آ جاتے تھے۔ ایک مقام پر چار امریکی ٹینک کھڑے ہوئے جرمنوں پر گولے برس رہے تھے مگر فوجی اعتبار سے وہ صحیح پوزیشن میں نہ تھے نتیجہً ہلکا کرہی کی ایک ٹینک شکن توپ نے معقول زاویے سے ان چاروں کو اثر دیا ایک تو آگ لگنے سے اس طرح جلنے لگا جیسے لکڑی کا بنا ہوا تھا اس طرح جرمن فوجیں تباہی مچاتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں۔ جس میں اتحادیوں کے سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ایک اہم چوکی پر قبضہ کرنے کے لیے دو فوجوں میں شدید جنگ ہوئی جس میں جرمنی کے آٹھ ٹینک، دو فوجی ٹرک اور اٹھارہ آدمی کام آئے جس کے برعکس نا تجربہ کاری کی بناء پر امریکہ کے چالیس ٹینک تباہ ہوئے اس کے علاوہ پندرہ کلدار توپیں اور لاتعداد فوجی کام آئے اور اکثر کو قیدی بنالیا گیا۔

دو روز کے وقفے سے شہر آرمی کمرل السودہ کے قریب جرمن فوجیں اتحادیوں کو مارتی ہوئی آگے نکل گئی ہیں۔ امریکہ کی بقیۃ السیف فوج نے شمال کی جانب سے حملہ کیا مگر شدید نقصان اٹھا کر پسپا ہوئی۔ دوسرے

کیسرین اور فریڈ بھی نکل چکے تھے۔

اس کے بعد جو ڈانی ہوئی اسے ایک طرف کھینچا جائے کیونکہ امریکہ کے ناخبر کار سپاہیوں میں ایسی ابتری مچ گئی تھی کہ وہ جان بچانے کی خاطر غلط سمت میں بھاگ رہے تھے اور بڑی آسانی سے جرمنی کی گولیوں کا نشانہ بنتے چلے جا رہے تھے۔ جو امریکی سپاہی ہتھیار ڈالنے کے بعد گرفتار ہوئے ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا کہ ہماری فضائیہ کہاں مر گئی۔ اب جرمن فوج تھا کہ کی چوکی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ مقام اگر امریکہ کے ہاتھ سے نکل جاتا تو تھا کہ عیسائیوں کو ملانے والی ٹرک جرمن افواج کے لیے کھل جاتی جس پر سے گزر کر وہ امریکیوں کے عقب میں پہنچ جاتیں اور تھک چاسکتی تھیں۔ اس خطرے کو روکنے کے لیے برطانیہ کے بکتر بند بریگیڈ کو کمک کے طور پر شمال سے طلب کیا گیا جو سات سو پینتیس میل کا مارچ کرتی ہوئی سو گھنٹوں میں پہنچی۔ دوسرے برطانوی بکتر بند لوٹ سبیا کی طرف سے آ رہے تھے جن کے ساتھ ان کے ٹین دالے بالکل نئے مچل ٹانپ ٹینک تھے جو آج تک کسی محاذ پر بھی استعمال نہیں کیے گئے تھے۔

اب جو جنگ شروع ہوئی وہ بڑی بھیانک تھی۔ جرمن فوجوں پر پچھلے بارہ گھنٹے سے بم باری ہو رہی تھی مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر ہوائی جہازوں کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ ہونے لگی اور اتحادیوں کے ہر ٹانپ کے ہوائی جہازوں نے گولے

برساتے شروع کر دیے۔ موسم ہوائی حملہ کے لیے موزوں نہ تھا۔ تاہم بم باری سے جرمنوں میں تھوڑا سا انتشار پیدا ہو گیا جس سے فائدہ اٹھا کر امریکیوں نے درہ کیسرین کے اندر وہ ہزار سے زیادہ شیل بھجوا دیے۔ اس بگڑی ہوئی صورت حال کو دیکھنے کے لیے جنرل رومیل خود اس مقام پر آیا اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ لگایا کہ اس کے پاس ٹرانسپورٹ کے وافر ذرائع نہیں ہیں اس کے علاوہ اس کی فوجیں دو طرفہ پہاڑیوں کے درمیان ہیں لہذا اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ لیبیا اس کیسپانی اختیار کر جائے۔ اس کے بعد سے افریقہ میں مقیم جرمن فوج و افریقین کو (ضعیف ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ ان کا سابقہ اب اتحادیوں کی تجربہ کار فوج سے پڑنے لگا تھا۔ جب تک اتحادیوں کے سپاہی صحرائی جنگ کا تجربہ حاصل نہ کر سکے تھے وہ تجربہ کار اور تربیت یافتہ جرمن افواج کے سامنے جم نہ سکے تھے مگر کثیر نقصان اٹھانے کے بعد دقت کے ساتھ انھیں تجربہ ہونا گیا اور وہ لڑنے کے قابل بنتے گئے۔



**Battle of
Sidi BouZid
14 Feb,
1943**

ایک جنگی چوہے دان

رہ گیا یہ تو اتحادیوں کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے پاس منگمری پٹین اور براڈ لے جیسے جنرل بھی تھے جو چشم زدن میں چھٹی حس کے ذریعہ ایک فوری کارروائی کر گزرتے تھے۔

آئرن لادر کی ان ہی باتوں کی وجہ سے اتحادیوں کو ابتدائاً افریقہ میں بڑی دشواریوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا ثبوت وہ کیسرن کی جنگ ہے اس موقع پر انگریز فوج اگر تائنافٹ ایک طویل فٹ طے کر کے مک کو نہ پہنچتی۔ تو امریکی فوج کا بالکل صفایا ہو جاتا۔ اور جرمن چٹن چٹن کر اسے گولیوں کا نشانہ بنا دیتے۔

جنرل وان رنسٹیٹ کی کمان میں ایک عظیم الشان بحالی حملہ کیا گیا جس میں تیرہ ڈویژن یعنی دو لاکھ سے زیادہ جرمن سپاہی امریکی ایک تنگ سبی دفاعی لائن پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے چھوٹے علاقوں میں اس قدر جرمن فوج پہلے کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ اس فوج کے عقب میں ایک ڈویژن نوچ اترتی تھی جس کا یہ کام تھا کہ امریکی جتنے مقامات خالی کرتے جائیں وہ ان پر قابض ہو کر اپنی پوزیشن مضبوط کر لے تاکہ اگلے دو لاکھ جرمن سپاہی آگے بڑھتے رہیں یہ کتابلے کار ہو گا کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ کس قدر فوجی ساز و سامان ہو گا۔ مثلاً ٹینک، فوجی گاڑیاں، توپیں اور گولہ بارود۔

عجیب بات یہ ہے کہ اکتوبر نومبر ۱۹۴۴ء میں اس عظیم حملہ کی تیاری کے کاغذات اتحادیوں کے جاسوسی محکمہ کے ہاتھ لگ چکے تھے پھر بھی

۱۹۴۴ء میں ہٹلر نے کہا تھا کہ ہمارے بحالی حملہ سے اتحادیوں کے چھٹے چھوٹ جائیں گے اور ہم انھیں سمندر میں دھکیل دیں گے اس اہم کارروائی کو بروٹسے کارلانے کے لیے وان رنسٹیٹ موزول تیز آدھی تھا جو نہایت تجربہ کار و دور رس جرمن جنرل تھا۔ اس کے مقابلے میں جنرل آئرن لادر تھا سابق صدر امریکہ جو دوسری جنگ عظیم میں یورپ میں اتحادی افواج کا سپریم کمانڈر تھا۔ جنرل آئرن لادر جرمن جنرل وان رنسٹیٹ سے مختلف انسان واقع ہوا تھا۔ اس نے غور و خراج میں جرمن جنرل کے مقابلے میں بڑی ملائم طبیعت پائی تھی اور وہ فوجی ہونے سے زائد سولین تھا۔ اس کے علاوہ اس کو اس کی خامی کہا جائے یا کچھ اور کہ آئرن لادر باوجود اعلیٰ فوجی تربیت یافتہ ہونے کے اپنے عمل کی رائے پر سچے کا عادی تھا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنگ کے بعض نازک مواقع پر اس نے اپنی ذاتی فوجی صلاحیت اور دوہر بینی سے فی الفور کام نہیں لیا بلکہ تاخیر سے فیصلہ کرنے کے باعث اکثر ہمت میں وقت کے نقصان کے مطابق کام کرنے سے قاصر

برمن پیجی تو ملکر کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔

غرض اردن میں اس کے اس محاذ پر امریکی جرمینوں کے اچانک جوابی حملوں کی پیش بینی اور پیش بندی کرنے سے قاصر رہ گئے۔ جرمینوں کے مقابلہ میں ان کے جنگی ساز و سامان اور افواج کی ایک پیش نہ گئی۔ بلکہ وہ کافی حد تک مفوج کر دی گئیں اور انھیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اتحادیوں کی صفوں میں نہ تو وہ اگلی سی گرما گرمی رہی تھی اور نہ نشاطی کیفیت بلکہ وہ ہراس کے عالم میں سوچنے لگے تھے کہ جرمین فوجوں کا مقابلہ کرنا زبک بہت مشکل ہے۔ اتحادیوں نے اس سے پہلے ہی کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا اور اس محاذ پر اس کا غمناکہ انھیں جھکنا پڑا تھا۔

جنرل رنٹیٹ کی بسرعت پیش قدمی اور بلز کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ وہ امریکیوں کے میل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس اہم محاذ پر ابھی جرمینی کی فتح دور تھی کیونکہ اتحادیوں کی فوجوں نے سٹنا شروع کر دیا تھا اور وہ جلد ہی ایک بڑی حملہ آور قوت میں مستقل ہو گئی تھیں۔ آخر جنرل بروس کلارک نے اپنی تازہ فوج کے ساتھ جرمینوں پر حملے شروع کر دیئے جس سے جرمینوں کے آگے بڑھنے کی رفتار رک گئی اور جنرل بیتن نے شدید باؤ ڈال کر دشمن کو کافی نقصان پہنچایا۔ آخر وسط جنوری تک جنرل رنٹیٹ کی فوج کو شکست ہو گئی مگر جوابی حملے کے آغاز میں اس نے جو جو ہے دان اتحادیوں کے لیے تیار کیا تھا اس میں نہ کامیاب رہا۔

اتحادیوں نے پیش بندی کی خاطر خواہ تدابیر اختیار نہیں کی تھیں۔ کاغذات میں اگرچہ جرمینوں کے ابتدائی پلان تھے تاہم اتحادی افسر بڑا فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر اس کے بجائے ان کی فوجیں فرانس کو عبور کر کے آگے جا کر رک گئیں اور بلجیم کے ایک علاقہ میں اپنا کمپ قائم کر لیا۔ جرمینوں کے اس کثیر اجتماع کے مقابلے پر شمال و جنوب کی طرف نظر امریکن تھوڑی سی فوجیں تھیں جو زیادہ سے زیادہ پانچ ڈویژن ہوں گی جس کے برعکس جنرل وان رنٹیٹ تیرہ ڈویژن کے ساتھ حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ اتحادی اس خطرناک حقیقت سے بے خبر تھے۔ بلکہ یقین کی حد تک ان کا خیال تھا کہ اب جرمینوں میں اگلی سی مسرت نہیں رہی۔

آخر ۱۶ دسمبر کو جرمینی کی اس قوی و کثیر فوج نے اتحادیوں کے ڈویژن نمبر ایک سو چھ پر حملہ کر دیا اور ایک ہی وار میں اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ فوجی مبصرین حیران تھے کہ جرمینی کی اس عظیم اور تجربہ کار فوج کو روکنے کے لیے اتحادیوں نے اپنے نئے اور نا تجربہ کار سپاہیوں کو کیوں آگے کر دیا۔ غرض اتحادیوں کو دام میں لانے کے لیے جرمینوں نے کئی جوہے دان بنائے جن میں اتحادی نا تجربہ کاری کی وجہ سے پھنستے چلے گئے اور انھیں سپاہ و اسلحہ کے باب میں شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔

جنرل آئزن ہادر کا حکمہ جاسوسی بالکل ناکارہ ثابت ہوا۔ جنرل وان رنٹیٹ نے اپنی زبردست جنگی چالوں سے اتحادیوں کو پریشان کر ڈالا تھا۔ اس محاذ کے باب میں جنرل وان رنٹیٹ کی رپورٹ جب

انہیں شکست نہیں دی جاسکی

کرنے کے بعد یہاں سے وہ اپنی سپلائی کے سلسلہ کو قائم رکھ سکتے تھے، مگر اتحادیوں کے اس پلان سے جرمن بھی غافل نہ تھے۔ اس لیے معاملہ ذرا دیر حافظہ آ رہا تھا۔ اٹلی کی فوجیں ہتھیار ڈال چکی تھیں۔ لہذا اس غلا کو پُر کرنے کے لیے جرمن تیزی سے کمک جمع کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جنرل کیننگ کے زیرِ کمان جرمینوں کے اٹھارہ ڈویژن آگے تھے جن کے مقابلہ کے لیے اتحادیوں کے صرف چار ڈویژن تھے۔ جرمن توپیں ایک نیم دائرے کی شکل میں خلیج سرنو سے تیس میل کی حد تک نصب تھیں جو اتحادیوں کو بموں سے رکھ سکتی تھیں۔ جنرل آئزن ہاور نے یہاں کی کمان پانچویں آرمی کے جنرل مارک کلا راک کے سپرد کر دی تھی۔ یہ جنرل کلا راک کی پہلی کمان تھی۔ طے یہ پایا تھا کہ انگریز اور امریکن شمال کی جانب سے جزیرہ نما اٹلی پر اپنی فوجیں اتاریں گے لہذا وسط ستمبر میں امریکہ کے چار سو پچاس بحری جہاز خلیج سرنو میں داخل ہو گئے تاکہ اپنی افواج کو اتار سکیں۔ اتحادی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جرمن شمال کی جانب چلے جائیں گے مگر ان کا یہ طعنہ جلد ہی ٹوٹ گیا۔ حملہ ہونے پر جرمن کسی طرف ہٹنے کے بجائے اٹلی کی سیریز میں پرچم کو مقابلہ کرتے لگے اور سرنو ایک زبردست جنگی محاذ بن گیا۔ اتحادی فضا بیڑے کے ماہرین کا خیال تھا کہ وہ جرمن کی سپلائی لائن اور مواصلاتی نظام کو درہم برہم کر ڈالیں گے مگر یہ فیاس بھی زیادہ صحیح ثابت نہ ہوا۔ آخر میں یہاں کی جنگ کے نتیجہ کا انحصار جرمینوں کی جنگی آزمائش اور تجربہ پر ہوا۔

۱۹۴۳ء میں یورپ پر جس بڑے حملے کا آغاز ہوا تھا اسے حماقت سے تعبیر کیا جائے یا دانش مندی سے؟ اس کا صحیح جواب وہ جنرل دے سکتے ہیں جنہوں نے اس جانکاہ حملہ میں جان کی بازی لگا دی تھی۔ آرام کر سی میں بیٹھ کر تنقید کرنے والے اس کی اہمیت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اس حملہ میں اتحادی شکست کے گردھے تک پہنچ گئے تھے کیونکہ سرنو پر اتحادیوں کا فوج اتارنا نہایت ہی خطرناک اقدام تھا مگر یہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ بہر حال یہ ہم کامیاب رہی اور اس کا اثر دوسری لڑائیوں پر بھی مؤثر ثابت ہوا۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں جزیرہ سسلی کے فوری سقوط کے بعد جنرل منگنر نے راس مینیا کے اندر خاموشی سے اپنے دو ڈویژن داخل کر دیے۔ یہ گویا اٹلی کے دامن کو پھاڑنے کے لیے پہلا قدم اٹھایا گیا تھا۔ اٹلی کے اس پہاڑی علاقہ پر جنرل منگنر کی اس تاخیر کو جرمن باآسانی رد کر سکتے تھے بشرطیکہ انھیں شمال سے کسی حملہ کا اندیشہ نہ ہوتا۔ خلیج سرنو اتحادیوں کے لیے آخری اور موزوں ترین مرکز تھا کیونکہ نیپلس پر قبضہ

اتحادیوں کے بیڑے جیسے ہی فوجیں اتارنے کے لیے سلاہ کو ساحل کے قریب پہنچے جہاں جرمنوں کی مضبوط دفاعی لائن موجود تھی جرمنوں نے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ ان کو دھمکی دینی شروع کر دی کہ ہم نے تمہیں اپنی توپوں کی زد میں لے لیا لہذا کنارا سے پر اتر کر ہتھیار ڈال دو۔ اس کے ساتھ ہی صبح کے کہیں چھپا ہوا یہ ساحل جرمن توپوں سے گونج اٹھا۔ بس پھر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا قیامت آگئی اتحادیوں کی کشتیاں برستی ہوئی آگ میں بڑھنے لگیں جرمنوں کی توپوں ہوائی ہمازوں اور مشین گنوں نے ان کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ مگر انگریزوں اور امریکیوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ساحل کی طرف مرتے گرتے بڑھتے رہے۔ جن کی کشتیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے وہ ہاتھ پر مارتے ہوئے مکان سے چور چور ساحل پر اتر گئے مگر کسی نے ہتھیار ڈال کا نام نہ لیا۔ اس لینڈنگ کی جنگ میں سپاہیوں کی انفرادی جرات و شجاعت کی داستان بڑی لمبی ہے۔

جرمنوں کی مشین گنوں کی پوچھا نہیں انگریز اور امریکی گھستے چلے جا رہے تھے اور مرتے گرتے ساحل پر اتر رہے تھے۔ یہاں تک کہ اتحادی فوجوں نے جان لڑا کر اترتے ہوئے ساحل کے ابھم مقام پر قبضہ کر لیا اور رات ہونے تک سلاہ کو فوج کر لیا۔ پھر اتحادی پانچ میل تک غصکی پر بڑھتے چلے گئے جرمن ٹینکوں اور توپوں نے ایسی آگ برساتی کہ رات کی تاریکی میں ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے جرمن

کی تعداد کتنی تھی۔ انھوں نے سمٹ کر قلیل تعداد اتحادیوں پر پے درپے حملے کیے۔ براؤنچے مقام اور ٹیلوں پر سے جرمن توپیں اور ہمدردیاں آگ اگل رہی تھیں۔ سلاہ جو تھم زار بنا ہوا تھا۔ سنبھکے وسط تک پورا ساحل علاقہ آگ کے قہقے لگتا رہا جرمن جنرل کیسر لنگ اتحادیوں کو پھر سمندر میں دھکیل دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا جرمن پنزر ڈویژن ان سے ہلاکی طرح چٹ گئے تھے۔ ادھر جرمن پروپگنڈہ مشین نے اعلان کرنا شروع کر دیا تھا کہ جریرہ نمائلی پر اتحادیوں نے لینڈنگ کر کے انتہائی اندھے پن کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی موت ہی یہاں انھیں لانی ہے۔ بہت جلد ان کا مکمل صفایا کر دیا جائے گا۔

مگر انگریز اور امریکن اپنے قبضہ میں آئے ہوئے علاقوں میں جمے رہے۔ حالانکہ ان پر موج در موج جرمنوں کے حملے جاری تھے۔ آخر جنرل کلارک نے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے فضا نیہ سے مدد طلب کی کیونکہ سسٹی پر جاؤ برقرار رکھنے کی یہی ایک صورت ممکن تھی۔ اب ایک مصیبت یہ آ پڑی تھی کہ جرمن ٹینکوں اور فوج کا ایک یونٹ امریکی فوج کے عقب تک آ گیا تھا یہاں تک کہ اس کا فاصلہ ساحل سے صرف دو میل رہ گیا تھا۔ اتحادیوں کے پاس زور و فوج بھی نہ تھی کہ اس کو کام میں لایا جاسکتا۔ آخر چھتیسویں ڈویژن کو جرمن کے شدید حملوں کی تاب مزید نہ لانے کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس موقع پر جرمن جنرل کیسر لنگ کو اگر تباہی مل جاتا کہ حملہ اور اتحادی زچ ہو چکے ہیں اور

وہ قصور ہی سہی فوج اور مجھ تک دیتا تو اتحادیوں کا مکمل صفایا ہو جاتا۔
اتفاق سے جنرل کلارک کو جرمن فوج کی اس بیخاری میں ایک ایسا ٹیلہ
نظر آ گیا کہ اگر اس پر قبضہ کر لیا جاتا تو بڑی مصیبت ٹل سکتی تھی مگر اس
کے پاس فالتو سپاہ نہ تھی۔ لہذا اس نے علاقے کے آدمیوں کو منتخب کیا
مثلاً بابو لوگ، بابو پچی، میکینک اور ریک ڈرائیور اور ان سب کو اسلحہ
دے کر میدان میں اتار دیا۔ اس مشن کے لیے نا تجربہ کار فوج کو بھیجے ہوئے
خونخوار جرمنوں کے مقابلہ پر لایا گیا مگر ان میں باقاعدہ انگریز اور امریکی
فوجی بھی شامل تھے۔ آخر ان سب نے مل کر شدید حملہ کیا جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ جرمنوں کے حملے ہو مروج ہوئے چلے چارہے تھے ریک
گئے۔ اس کے بعد وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ صبح ہونے تک اتحادیوں کے پارا
ٹروپ بھی آگئے اور نقشہ آہستہ آہستہ بدلنے لگا مگر جرمن اب بھی شکست
سے دور تھے۔ ان کے کمانڈر بار بار اپنی فوجوں کو حملوں کے لیے اکٹرا رہے
تھے لیکن جرمن افواج کی اب اگلی جیسی اسپرٹ نہ رہی تھی۔ انھوں نے
چمنا چاہا مگر اتحادیوں کی اس مخلوط اور ناماثری فوج کے آگے ان کی پیش
زدگئی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آسمان سے نازل ہونے والے پارہ ٹروپ
نے انھیں کافی نقصان پہنچایا تھا۔ ایسی فوج پر قابو پانا دشوار ہے
جو دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ ہو، اب اتحادیوں کا یہی جذبہ
تھا۔

جرمنوں کو مزید نقصان پہنچانے کے لیے جنرل کلارک نے پارا
ٹروپ کو جرمن لائن کے عقب میں اترنے کا حکم دیا۔ یہ بڑا خطرناک فیصلہ
تھا اور اس کی وجہ سے جنرل کلارک پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ بہر حال پارا
ٹروپ نے جرمن فوج کے پیچھے اترنے کی کوشش کی، اس میں بہت سے
مارے گئے۔ پھر بھی پارہ ٹروپ دشمن کی صفوں کے پیچھے بہت ہی کم
تعداد میں اتر سکے، البتہ ٹیلوں کے پیچھے جا چھپنے میں کامیاب ہو گئے
اور وہیں سے انھوں نے جرمنوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس کارروائی
میں ان کا بہت کم نقصان ہوا اور جب وہ اس ہم سے آزاد ہوئے
تو ان کی تعداد اسی فی صد باقی تھی ہوائی فوج سے آئی۔

جنرل آئزن ہاؤر جب سر توکے معائنہ کو آیا تو جنرل کلارک نے اس
سے درخواست کی کہ اب اس محاذ کے ایک دو کمانڈروں کو آرام کی اجازت
دی جائے کیونکہ جرمنوں کے ہاتھوں ان کی اور ان کے آدمیوں کی
خاصی مرمت ہو چکی تھی۔ آرام مل جانے سے ایک تو ان میں دوبارہ
اعتماد پیدا ہو جائے گا دوسرے وہ تازہ دم بھی ہو جائیں گے بہت

جرمنوں کے حوصلے مزید لپٹ کر نے کے لیے دوسرے روز اتحادیوں

جاپان کا محاذ

اگست ۱۹۴۲ء میں امریکی فوجی جزائر ٹنگی، گوٹو اور گوڈل کینل میں کشتیوں کے ذریعہ اترنے کو تو اتر گئے تھے مگر اس کے بعد وہ مصیبت میں پھنس گئے ایک توان کی تعداد صرف ایک ہزار تھی جو جاپانیوں کی لاتعداد فوج کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتی، دوسرے امریکیوں کو جنگل کی لڑائی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ کچھ جنگلوں کی لڑائیوں میں دشمن طرح طرح کے گڑھے، پھندے اور جالی پھیلا دیتا جس میں حلا آور پھنس جاتے اس کے بعد جاپانی آسانی سے ان کا شکار کر لیتے تھے۔ اس کو تو ایک اتفاق ہی سمجھیے کہ جزیرہ گوڈل کینل میں جاپانیوں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی مگر وہ جلد ہی کثیر تعداد میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔ امریکہ نے جزیرہ ٹنگی پر صرف ایک ٹیلیفون اتاری تھی جسے فوجی نقطہ نظر سے حماقت کے سوا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ تو صرف ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ قتل ہونے سے بچ گئے سبب یہ تھا کہ یہاں جاپانی بھی کم ہی تھے ورنہ امریکیوں کا قطعی صفایا ہو جاتا۔ بہر حال جزیرہ گوڈل کینل کے ایک پوائنٹ پر اترتے ہی انھوں نے ایک نا تمام ایر فیلڈ کی پناہ لی پھر اس

بھر کی اس بھول ناک جنگ میں اتحادیوں کا کافی نقصان ہوا تھا۔ امریکی فوج کا کم، انگریزوں کا بہت زیادہ ان کے پانچ سوا کینس کو مارے گئے تھے اور ایک ہزار نو سو پندرہ زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار پانچ سوا کینس لاپتہ تھے جس کے برعکس امریکی صرف دو سو پچیس مارے گئے تھے، آٹھ سو تینتیس زخمی ہوئے تھے اور پانچ سو نو اسی لاپتہ تھے۔ جرمن سپاہیوں میں مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد اس سے کمیں زیادہ تھی۔

یہ گویا جزیرہ نما اٹلی کی ایک سخت مہم کا آغاز تھا جو کافی طویل اور جان لیوا تھی۔ اس مہم میں جرمنوں کو بالادستی حاصل تھی کیونکہ ان کی مضبوط دفاعی لائن خشکی پر تھی۔ اس کے برخلاف اتحادیوں کو سمندر میں کشتیاں لے جا کر ساحلوں پر اپنی فوجیں اتارنی پڑتی تھیں جس سے انھیں نقصانِ عظیم اٹھانا پڑتا تھا مگر وہ جرمنوں کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دے رہے تھے۔ جرمن بڑے لڑاکا تھے مگر اتحادی بھی بڑی بہادری سے جے ہوئے تھے اور جرمنوں سے اٹلی کو خالی کرانے پر تڑپ گئے تھے۔ بہر حال سرنویر فوجیں اتارنے کی مہم جسے پہلے دیوانگی سے تعبیر کیا گیا تھا، ایک بڑی سوچی سمجھی مہم تھی۔



Salerno Attack
Sept 1943

سنجھ لگے تو وہ امریکیوں کے لیے ایک بڑی مصیبت بن گئے چونکہ جاپانیوں نے اب تک کبھی شکست نہیں کھائی تھی اس لیے ایک نغم میں وہ امریکیوں پر پلے پڑ رہے تھے پھر مذہبی اور قومی جذبات پر اتنا شدید غلبہ تھا کہ سوائے موت کے کوئی چنبرہ انھیں آگے بڑھنے سے روک نہ سکتی۔ بہر حال امریکیوں کو پہلی بار ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جس کو یا تو تباہ کر دیا جائے یا خود اس کے ہاتھوں تباہ ہو جائے جنگل میں ہر طرف موت منڈلاتی پھر ہی تھی۔ جاپانی گڑھوں، جھاریوں دلدلوں اور درختوں پر پڑھے ہوئے دشمن کے غنڈے رشتے۔ انھیں اگر مارنے کو ایک امریکی بھی مل جاتا وہ اس کوشش میں خود بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے۔ بالآخر امریکیوں کے زیادہ آدمی مرنے لگے اور ایک تلخ تجربہ نے انھیں کافی چوکتا کر دیا۔ چنانچہ وہ ریگتے ہوئے کھسکتے تھے اور اس شہر میں کفلاں جھاڑی یا گڑھے میں کہیں کوئی جاپانی چھپا نہ بیٹھا ہو فائر کر دیتے تاکہ مارتے ہیں پہل ان کی طرف سے ہو۔ بلکہ اب تو انھوں نے اتنی احتیاط برتنی شروع کر دی تھی کہ ناریل تک پر گولی چلا دیتے تھے کہ مبادا وہ بھی کسی چھپے ہوئے جاپانی کی کھوپڑی ہو۔ اس کے باسوا امریکی یہاں کی شدید اور انتہائی پرخطر زندگی کے عادی نہ تھے کیچڑ پانی، دلدل، پرخطر گڑھے یہ سب ان کے لیے سامان مرگ تھے۔ پھر انھیں قسم قسم کے کیڑے کوڑے رات دن کاٹتے رہتے جس کے سبب ان کے بدن لال ہو گئے تھے اور وہ فساد خون کے شکار ہو رہے تھے کئی کئی دن تک

کے جنگل، میدان اور گڑھوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ ہے۔ بہر حال اب طرفین کی کم کم پہنچی شروع ہو گئی تھی۔ آخر ایک مقام پر سے جاپانیوں نے اپنا تاریخی حملہ کر دیا۔ امریکی رات دن اپنے دفاع کو مضبوط کرنے میں سرکھپاتے رہتے اور کشتیوں کے ذریعہ ان کی کم کم پہنچنے کا سلسلہ جاری تھا تاکہ حملہ آور تباہ ہونے سے بچ جائیں۔ اس کے بعد امریکیوں نے جہازوں کے ذریعہ اپنی فوج اتارنی شروع کر دی۔ اسی طرح جاپانیوں کی کم کم بھی دھڑا دھڑ پیچ رہی تھی مغرض ایک بڑی لڑائی کی ٹھن گئی تھی۔ جاپانیوں نے امریکیوں کے جربر سے پر قدم رکھتے ہی ان پر فضا کی اور بھری حملے بھی شروع کر دیے تھے تاکہ حملہ آوروں کو مدد نہ مل سکے پھر انھوں نے اپنے پورے بحری بیڑے کو حرکت دے کر گوڈل کینل میں لاکھڑا کیا۔ اس جگہ امریکیوں اور جاپانیوں نے یہ کوشش کی کہ ایک دوسرے کو پیش قدمی نہ کرنے دیں اس تباہ کن کوشش میں پچاس سے زیادہ جنگی جہاز اور سینکڑوں ہوائی جہاز برباد ہو گئے۔

امریکیوں کے قبضہ میں جو ایک ناقص ایر فیلڈ تھا اس پر سے ان کے ہوائی جہاز پرواز کرتے تھے۔ مگر جاپانیوں کے ہوائی جہازوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فضا کی بھرپور میں وہ غالب آتے رہے۔ تو امریکیوں نے جب جربرہ گوڈل کینل پر اچانک لینڈنگ کی تھی۔ تو شروع شروع میں جاپانیوں کو سنبھلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر جب

نہانے دھونے سے محروم رہنے کے باعث ان کے بدن پیستے اور
میل سے مٹنے لگے تھے۔

امڈتے ہوئے جاپانی جنگی جہاز ان پر عقب سے آگ برساتے،
ساتھ سے تازہ دم فوج کے دستے حملہ کرتے امریکیوں کے لیے نہ کوئی
مدافعت تھی اور نہ کوئی بچاؤ۔ مختصر یہ ایک دیوانگی کی جنگ معلوم ہوتی
تھی۔ آخر میں اگست کو ایک بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔ امریکیوں کے
پاس کوئی جنگی نقشہ نہ تھے اور نہ انھیں کوئی خبر تھی کہ فلاں لائن کہاں ہے
اور کتنے فاصلہ پر ہے۔ زیادہ تر اہل عمل بچو کام چل رہا تھا۔ رات کی تاریکیوں
میں چھوٹی توپیں اور رائفلیں گرجتی رہتیں۔ جاپانی اور امریکن اندھا دھند
گولیاں اور گولے برسا رہے تھے۔ صبح معلوم ہوا کہ جنگ کی چوکیوں کے
فوسو جنگی محافظ مارے گئے۔ اسی طرح امریکیوں کی لاشوں کے انبار لگے
ہوئے تھے۔ امریکی فوجی جب کبھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو انھیں
قدم قدم پر جاپانیوں کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔ دونوں ٹیوں
لٹکا ہوں سے چھپ رہتے اور نظر نہ پڑ دینا اور ایک دوسرے پر
ٹوٹ پڑتے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے، چلتے ہوئے تین تیر سانس
اوزر شیوں کی کراہ سے نضا بھر جاتی اور ایسا محسوس ہونے لگتا کہ جیسے
انسان جانور بن گیا ہے۔

امریکیوں نے ایک اور پہاڑی پر ایک جاپانی جھنڈا اُھارتے دیکھا
مگر جیسے ہی امریکی اسے اتارنے کو پہاڑی پر پہنچے جاپانی ہوائی جہازوں

نے انھیں بھون کر رکھ دیا۔ کئی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے غنیمت
تھا کہ یہاں کے خدا اید کے بادبود امریکیوں کے حوصلے ابھی برقرار
تھے۔ اگر وہ جی چھوڑ دیتے تو اس موت کے جزیرے سے ایک بھی زندہ
نہ لڑتا۔

جاپانی چھپ کر حملہ کرنے میں کمال کرتے تھے۔ چند قدم کے فاصلہ پر
چھپا ہوا جاپانی نظر نہ آتا۔ مگر ادھر کوئی امریکی قریب آ جاتا ادھر
جاپانی کا ہاتھ اٹھتا اور امریکی کلاٹ جانے سے غنم میں نہایا ہوا زمین
پر تڑپتا نظر آتا۔ اس کے علاوہ امریکی فوجیوں میں چھپش کی سنت دیا
بھی پھیل گئی تھی۔ خراب آب و ہوا، نہ ہر پلے کٹرے اور گرمی امریکیوں
کے مزاج کے برعکس چیزیں تھیں۔ پھر انھیں بلیریانے بھی آپکر اٹھا
لڑنے کے ساتھ جو بخار چڑھتا تو اترنے کا نام نہ لیتا۔ اسی حالت میں دس
سے چڑھنے والے بخار سے پکپکاتے انھیں لڑنا بھی پڑتا تھا۔ کہاں کا
شفا خانہ اور کیسا آرام؟ چنانچہ بہت سے بخار کی نذر ہو گئے جو مچ گئے
تھے وہ سوکھ کر کنا ہوا گئے تھے۔ بعض کا وزن تو چالیس پاؤنڈ تک
کم ہو گیا تھا۔ بہت سے فقاہت کی وجہ سے قدم تک اٹھانہ سکے۔ مگر
انتہائی نہیں ہوا بلکہ بے شمار امریکی سپاہیوں اور افسروں کے غنم میں اس
قدر حدت پیدا ہو گئی کہ ان کے جسم پھپھس گئے اور تمام بدن میں ایسی
سوزش پیدا ہو گئی گویا پچھاریاں بھر گئی ہوں۔ دشمن کا رات دن کاٹو
نامعلوم حربوں اور حملوں کے اندیشے اس پر مشتمل تھے۔

نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سب کو جھوٹ کر رکھ دیا۔ جب مردوں کی تلاشی لی گئی تو واقعی ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھے پھر وہ نہ معلوم کیوں امریکی فوجی کے پاس دوڑ کر آ رہے تھے۔

غرض جزیرہ گوڈل کینل ہزاروں آفتوں کا گوارہ بنا ہوا تھا۔ بیمار سی، بال کر رکھ دینے والی گرمی، زہریلے کیڑے، دلدل اور ان کے نزدیک نظر آنے والے دشمن کے مورچے جن سے ذرا سے شبہ پر آگ برسنے لگتی تھی۔۔۔ جزیرہ کیا تھا ایک نمونہ دوزخ تھا۔

ایک دفعہ ایک میرین افسر پرتین جاپانی ٹوٹ پڑے۔ ایک کو تو اس نے گولی مار کر ہلاک کر دیا باقی دو اتنے قریب تھے کہ بندو دھلائی جاتی لہذا اس نے اپنی بندوق سے فٹڈے کا کام لے کر ان کا سر بچھاڑ دیا۔ اتنے میں دو جاپانی اور آگئے۔ وہ میرین پر چاقو لے کر ٹوٹ پڑے۔ میرین نے چاقو پھین کر ایک حملہ آور کا کام تمام کر دیا مگر دوسرے نے میرین کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔

اسی طرح کسی باقاعدہ حملے کے بجائے آمناسا منا ہوتے ہی دونوں طرف کے فوجی روزانہ مارے جارہے تھے۔ آخر کہیں دسمبر کی ابتدا میں قسم قسم کی بیماریوں اور سخت جسمانی نکلان سے پھر پھر امریکی سپاہیوں کو اس جزیرے سے آرام کے لیے نکالا گیا۔ اور ان کی جگہ تندرست اور زیادہ فوج کو اتارا گیا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ ان کا بھی وہی حشر ہونے والا نہ تھا جو ان کے پیشرو امریکی سپاہیوں کا ہوا تھا

اب امریکی سپاہی یہ کوشش کرتے تھے کہ سب سے پہلے وہ گولی چلائیں کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں طرف سے بیک وقت گولی چلتی اور دونوں ایک ساتھ مر جاتے۔ کوئی امریکی دشمن کو دیکھنے کے لیے اپنی پناہ گاہ سے ذرا بھی سر اٹکا کرنا تو جاپانی کی گولی سے اس کا بھیجا پاش پاش ہو جاتا۔

جب کبھی جاپانیوں کو کوئی امریکی ٹینک نظر آ جاتا تو غصے اور نفرت میں پہلے تو وہ اس پر گھونسنے برساتے پھر چاقوؤں سے حملہ کرتے۔ اس کوشش میں کچھ مر جاتے کچھ ٹینک کو آگ لگانے میں کامیاب ہو جاتے غرض امریکی اس جزیرے پر لینڈنگ کر کے ایک مصیبت میں پھنس گئے تھے جہاں روزانہ ہی دھائیں دھائیں مینہ پڑتا رہتا تھا اور ہر طرف راتوں راتوں کیچڑ اور پانی بھر جانا، جگہ جگہ ایسے دلدل بھی تھے کہ ان میں آدمی وحشت چلا جاتا، آسمان سے پانی اور مین و لیا سارے گولیوں کی بارش!

اس کے برعکس جاپانی اگر کہیں ہاتھ آ جاتے تو ہتھیار ڈالنے کی ذلت سے بچنے کے لیے لڑتے لڑتے مرجانا پسند کرتے یہی کیفیت جاپانی مزدوروں کی بھی تھی وہ کبھی پکڑے جاتے تو امریکیوں کی مدد کرنے کے بجائے مرجانا گوارا کرتے۔ امریکی ایشیائی ایک قوم سے الجھ گیا تھا جس کے نزدیک جان دے دینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس سرزمین پر رعایت اور انسانی جذبات کے کوئی معنی نہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک امریکی سپاہی نے چھٹے جاپانیوں کو اپنی طرف دوڑتے دیکھا اس

بحیرہ بسمارک

بحیرہ بسمارک کے واقعات کا تعلق بھی جاپان کے ایک بحری محاذ سے ہے۔ اوریہ واقعات بھی جنگ کی تاریخ میں بڑے ہولناک ہیں۔ اس لڑائی میں جاپانیوں کو اگرچہ زیادہ نقصان اٹھانا پڑا مگر وہ بغیر اندیشہ سود و زیال لڑتے رہے۔ اس جنگ میں اتحادیوں کی فضا میں نے بڑا کام کیا۔

اتحادیوں کے ہوائی جہاز جاپانیوں کے بحری جہازوں پر براہِ گولہ باری کر رہے تھے جس سے جاپانی بحریہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور جہازوں میں کوئی بچہ محفوظ نہ رہی جس میں پناہ لے کر جاپانی طراح اپنی جان بچاتے۔ کیونکہ بہت سے جہازوں میں مسلسل بم باری کی وجہ سے آگ لگ گئی تھی۔ آخر طراح جان بچانے کو پانی میں کود پڑے۔ جن ملاحوں نے کشتیوں کے ذریعے جان بچانے کی کوشش کی ان کی کشتیاں بھی بموں نے توڑ بھوڑ ڈالیں اور سمند میں تیرنے والے طراح آسمان سے برسنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

ہوائی جہازوں پر مار کرنے والی توپوں کا پہلے ہی صفایا ہو گیا تھا

کیونکہ ملیر یا اوریجس کا اب بھی وہی دورِ دورہ تھا اور دوسری قسم کی تمام بم لائیں بدستور موجود تھیں۔

پھر بھی امریکی سپاہیوں کو اس جزیرے کے ناگفتنی شہدائے سہنے کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ انھیں ایشیا کی سخت گرمی، جنگ کی لڑائی اور جاپانیوں کے طریقِ جنگ کا اچھا تجربہ ہو گیا اور اس تجربہ کی بنا پر پھر بھی جاپان کے کسی دوسرے جہاز پر ان کا جانا ہوا تو وہ ویاں کے شہداء برداشت کرنے کے قابل تھے مگر ان مواقع پر حوصلہ برقرار رہنا شرط تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ جاپانی اپنا طریقِ جنگ بدل نہ دیتے۔

جنوری اور فروری تک امریکی سپاہیوں نے اس جزیرے کی جنگ کا میاابی سے ختم کرنے کی خاطر بڑی تیزی دکھائی اور لگے بڑھنے رہے جس کے نتیجے میں بہت سے امریکی مارے گئے پھر بھی وہ کامیابی سے ہم کنار ہو کر رہے اور جاپانی ویاں کمان نے گیارہ ہزار شکست خوردہ جاپانی فوج کو غما کا حکم دے دیا۔ ویاں بے ہزار جاپانی، جنھوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا تھا، بیدرجق قتل کر دیے گئے۔ مگر جنگ ابھی خاتمہ سے دور تھی، کوئی نہ کہہ سکتا کہ امریکہ اور جاپان کی آئندہ لڑائیوں میں کیا ہونے والا تھا۔



November
1942—United States
Marines rest in the
field during the
Guadalcanal (JAPAN)
campaign

پرایسے تابڑ توڑ حملے کیسے کہ اسے تباہ کر کے رکھ دیا اور سمندر کو جاپانیوں کی لاشوں سے پاٹ دیا تھا۔

ان حملوں میں اتحادیوں کے ہوائی جہازوں کو بھی نقصان پہنچا مگر

زیادہ شدید نہیں۔ جاپانیوں کے بچے ہوئے بحری بیڑے کو نیوگاشا

پہنچنا تھا اور یہ منزل بنوڑ دور تھی۔ ادھر اتحادیوں کے ہوائی جہاز

ان کا پہنچنا نہ چھوڑ رہے تھے۔ اس پر مزید مصیبت یہ ہوئی کہ سمندریں

طوفان آگیا جس کی وجہ سے جاپانیوں کا بچا کچا بحری بیڑا بری طرح ٹکڑا

لگا۔ قدرت کے خلاف کون جنگ کر سکتا ہے! اس پر مبنی جاپانیوں

کے سامنے ایمنیشن کی فراہمی کا مسئلہ تھا جس کا ذخیرہ برائے نام رہ گیا تھا

بہر حال جاپانیوں کو اپنے زبردناپ ہوائی جہازوں کی آمد کا انتظار تھا

کیونکہ اتحادیوں کی فضائیہ نے بہت زور پکڑ رکھا تھا۔ یہ تین مارچ ۱۹۴۳ء

کی بات ہے۔ جاپانیوں کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ انہیں

اپنے ہوائی جہازوں کا انتظار تھا مگر وہ کونہیں آئے۔ ان کے بجائے

اتحادیوں کے حملہ آور ہوائی جہاز بھر مندوار ہو گئے اور بی چوبیس (B-24)

ٹائپ ہوائی جہازوں نے جاپانی بحریہ کے بچے کھچے بیڑے کو دہرے لیا۔

آخر جاپان کی قوتوں نے ریل ایر فورس اور امریکہ کے ہائیڈرو

بیڑے پر فائرنگ شروع کر دی۔ کیونکہ ہوائی جہازوں نے آتے ہی حملہ کر

دیا تھا جس سے ایک تباہ کن جہاز کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس موقع

پر پھر لیفٹیننٹ اوموری نے واٹر لیس کے ذریعہ اپنے ہیڈ کو اڑھڑے

اس لیے اتحادیوں کا ہوائی بیڑہ اعلیٰ درجے سے تباہ کاری کرتا رہا۔ پھر ایک بد قسمتی یہ ہوئی کہ جاپانیوں کے پاس ایمنیشن ختم ہو گیا اور کئی گھنٹے تک ان کے پاس گولہ بارود نہ پہنچ سکا۔

غرض جاپانیوں کے پاس امریکی اور آسٹریلوی ہوائی جہازوں کے

حملوں کے خلاف کوئی بچاؤ کی صورت نہ رہی۔ بچے کھچے جاپانی بحری جہاز

اس قدر تباہ ہو چکے تھے کہ دشمن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتے۔

بہازوں کے تمام انجن بے کار ہو کر بند پڑے تھے۔ آخر جاپانی لیفٹیننٹ

اوموری نے حکم دیا کہ شدید بحری جہاز جینیں زیادہ نقصان نہ پہنچا ہو کام

میں لائے جائیں اور ان کی رفتار جس قدر ممکن ہو تیز کر دی جائے تاکہ گرداب

بلا سے کچھ تو بچ سکا رٹے۔ مگر بچنے بچنے سو لوٹ ڈوالے ہم گرنے سے

سینکڑوں جاپانی ملاحوں کے جموں کے ٹکڑے اڑ گئے جس کی وجہ سے سمندر

کا پانی لال ہو گیا۔ تقریباً پانچ ہزار سپاہیوں اور ملاحوں کی لاشیں سمندر

میں تیر رہی تھیں۔ اسے ایک طرفہ جنگ کہنا چاہیے جس میں جاپانی بحریہ

کو اتحادیوں کے ہاتھوں اتنا شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے سترہ بحری

جہازوں میں سے تیرہ تباہ ہو گئے تھے اور بچے ہوئے تین چار جہاز بھی نقصان

رسیدہ تھے۔ اسی طرح جاپانیوں کا ٹرانسپورٹ سسٹم بھی غارت ہو گیا تھا

اور ٹرانسپورٹ کا عملہ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ اتنی شدید تباہی کی وجہ یہ

تھی کہ بحیرہ ہیمارک میں جاپانی بحریہ فیہر کسی مخصوص اور قابل ذکر روک

لوک کے چلا آ رہا تھا کہ آگے جا کر اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے اس

آسٹوجیمیا کے ہولناک معرکے

آسٹوجیمیا کی سیاہ و سنگلاخ سرزمین پر بھی امریکہ اور جاپان کی ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے۔ جب ایشیا کی سرزمین پر دوسری جنگ عظیم اپنی آخری کشمکش میں تھی اور جاپان اس طرح امریکہ سے لپٹا ہوا تھا کہ اس کی جنگی مشینری نے امریکہ کے ناک میں دم کر دیا تھا امریکہ حقیقت میں ایشیا کی ایک ایسی قوم سے المجد گیا تھا جس کے نزدیک موت گویا ایک کھیل تھی وہ کثیر تعداد میں اپنے آدمی ضائع کر کے اگر قلیل تعداد میں بھی امریکنوں کو ہلاک کر دیتے تو اسے اپنی فتح ہی سمجھتے۔ امریکی سپاہی اور افسر اپنے دولت مند ملک کی بخشی ہوئی پر تعیش زندگی کی وجہ سے مرنے سے گھبراتے تھے مگر جب سر پر ہڑ پڑتی تھی تو انھیں بھی جان کی بازی لگا کر لڑنا پڑتا تھا۔

غرض آسٹوجیمیا میں ساڑھے چار ہزار سے زیادہ امریکی مارے گئے اور ساڑھے پندرہ ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے۔ یہاں کئی مقامات پر جاپانیوں کی تعقیب قلعہ بندی تھی۔ پھر بھی ان کے ہتھیار سے زیادہ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ سو سے زیادہ گرفتار ہوئے وہ بھی

مدد طلب کی مگر اٹھا دیلوں کے ہوائی جہازوں نے اپنی لینا ر جاری رکھی جن پر نازنگ کرتے کرتے جاپانی تو پہنچے تھک چکے تھے کیونکہ اٹھا دیلوں کے تقریباً سو ہوائی جہاز حملہ آور تھے اور ان میں ہڑاٹپ کے ہوائی جہاز شامل تھے۔ چنانچہ جاپان کا ایک چار ہزار ٹن وزن کا جہاز آنا فانا سمندر میں غرق ہو گیا، آخر خدا خدا کر کے جاپانیوں کے زیر و ثاٹپ ہوائی جہازوں کا ایک چھوٹا سا بیڑا ان کے گیارہ بجے نمودار ہوا۔ لیکن اٹھا دیلوں کے طاقت ور ہوائی جہازوں نے ان میں سے تین کو تو اسی وقت مارا گر باقی بھاگ گئے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ موسم دفعۃً خراب ہو گیا اور اٹھا دیلوں کے ہوائی جہازوں کو کبھی لوٹ جانا پڑا اور جاپانیوں کا پیچھا چھوٹا تو نصف سے زیادہ جاپانی ملارج مارے جا چکے تھے اور لا تعداد زخمی ہوئے تھے جو بری طرح کھو رہے تھے۔

پانچ ہزار سے زیادہ جاپانیوں کی لاشیں بحیرہ ہسارک کی محوئی موجوں پر تیر رہی تھیں۔ ایسا قتل عام بہت کم ہوا ہوگا۔ کیونکہ جن جاپانیوں نے سمندر میں تیر کر جان بچانے کی کوشش کی تھی انھیں بھی مشین گنوں سے بھون ڈالا گیا تھا۔



Japanese transport under aerial attack in the Bismarck Sea, 3 March 1943

زخموں سے تڑھال تھے۔ امریکہ کے کئی اچھے سپاہی جاپانیوں کی شدید گولہ باری سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ کئی بار جاپانیوں سے دست بدست جنگ بھی ہوئی۔ اس میں بھی طرفین کا کافی نقصان ہوا ہر قسم کے آتشیں اسلحہ آزادی سے استعمال کیے گئے جس کی وجہ سے ہر طرف ایک تباہی مچی ہوئی تھی۔

ایک موقع پر ایک امریکی افسر کسی پہاڑی تک اپنا دستہ لے جانا چاہتا تھا مگر جاپانیوں نے پورے طرف سے ایسی آگ برساتی کہ اس کے قدم جم نہ سکے۔ آخر اس نے آواز بلند کر کے اپنے سپاہیوں کو لکڑا اور انہیں بتایا کہ اگر لڑائی جیتنا ہے تو ایسی کئی جہتوں کو عبور کرنا ہوگا۔ عین اسی جنگ سے میں ایک جاپانی سپاہی تنگی تلوار لیے اس پر ٹوٹ پڑا۔ امریکی افسر نے اس کا وار خالی دے کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور پھر اسی تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ ایسی لڑائیوں میں افراد شجاعت کے بھی کارنامے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں تاریخ میں جگہ ملتی ہے ورنہ ان کے کارنامے ان کی لاش کے ساتھ ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ جاپانی بھی ایسی ہی بے جگری سے لڑے کہ کئی مقامات پر انہوں نے امریکیوں کی پیش قدمی کو روک دیا تاہم امریکی سپاہ چھوٹی توپوں سے برابر گولہ باری کرتی رہی جس سے درجنوں جاپانی مارے گئے۔

غرض دونوں طرف کی فوجوں میں جنگ کا جنون اس قدر بڑھ رہا ہوا

تھا کہ اگر امن کے زمانہ میں وہ اپنے اپنے گھروں میں ہوتے تو اپنی جنگی دیوانگی پر نفرتیں کرتے مگر میدان جنگ میں جہاں و قتال ان کے لیے گویا ایک کھیل بن گیا تھا۔ دشمن کی باتو جان لو یا اس کے ہاتھ سے مارے جاؤ۔ کوئی سپاہی جان بچانے کو پناہ کے لیے بھاگتا تو اس کو شش میں دشمن کی گولی کا نشانہ بن جاتا اور گولی مارنے والا ایک شیطانی قدمہ بلند کرتا گویا اس نے کوئی دل پسند شکار کیا ہو یہ لڑائی کی دیوانگی نہ تھی تو اور کیا تھا!

مرنے اور مارنے کے اس ملاقہ میں بہت سے جنگ جوان اپنی حفاظت سے غافل ہو کر گولی چلاتے رہے جیسے یہ کوئی تقریبی مشغلہ تھا۔ اس تقریب میں کئی بار ایسا بھی ہوا کہ اپنے دوستی ہم کو وہ مذاق ہی مذاق میں گیند کی طرح اچھالتے اور اس کے پھٹنے سے خود ہی ہلاک ہو جاتے یا مشین گنوں کو دیوانہ وار گھمانے لگتے اور خود اس کا قہر بن جاتے۔ مگر لڑتے رہنے کے مشغلہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اب سپاہیوں پر شدید تکان غالب آتی جا رہی تھی۔ اعصاب پر بے پناہ بار پڑنے سے وہ ٹوٹنے لگے تھے۔ چند روز بعد ہی تکان کی پیدا کردہ کئی بیماریاں امریکی سپاہیوں کو لاحق ہو گئیں۔ کسی کو فحش آبی شرمناک ہو گئی، کسی کو دستوں کا عارضہ ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ خفیف و زار نظر آنے لگے۔ چلتے تو قدم نہ اٹھتے۔ پاؤں رکھتے کہیں پڑتا کہیں اور اسی حالت میں وہ گولیاں بھی کھاتے، صحت کی گولیاں نہیں بلکہ مشین گنوں کی گرم گرم

شمالی افریقہ کا محاذ

ایشیا میں جاپان کے خلاف جنگ میں امریکہ اور برطانیہ ایسے الجھ گئے تھے کہ انھیں پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ بحرہ ریں کئی مقامات پر امریکہ اور جاپان کی سخت جان گداز لڑائیاں ہوتی تھیں مگر ان سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ بلکہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ جاپان ایشیا میں برطانوی مقبوضات کو روندنا ہوا انڈو چائنا اور برما کو پار کر کے بہت آگے بڑھ آیا اور اس کے ہوائی جہازوں نے غیر منقسم ہند میں برطانوی علاقہ چنگام تک پر بم برس کر اپنی برتری ثابت کر دی۔ ادھر امریکہ بھی ایشیائی محاذ پر جاپان سے لڑتے لڑتے عاجز آ چکا تھا۔ کیونکہ وہ اب تک جاپان کو کسی مقام پر شکست کئی نہ دے سکا تھا۔ ان تباہ کن لڑائیوں میں جہاں تک ساز و سامان اور نفری کا تعلق ہے طرفین کو بے قیاس نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پھر بھی ابھی جاپان کی بحری و فضائی طاقت کافی مضبوط تھی اور امریکیوں پر مسلسل کاری ضربیں لگاتے جا رہی تھی آخر امریکہ نے تنگ آ کر کھسپانے تین میں ایک بڑا افسوس ناک چیلنجی قدم اٹھایا اور میرڈیٹھیا پرایمٹم بم گرا کر جنگ کی تاریخ میں ایک

جان لیوا گولیاں۔ ان مواقع پر انھیں اپنے وطن کی شراب اور شادیوں بازاری یاد آنے لگتیں۔ جس کا ایک سپاہی کو میدان جنگ میں تصور تک ذکر نا چاہیے۔

غرض سولہ مارچ سے پچیس روز بعد اس مقام پر لینڈنگ کے دوران امریکی بمشکل کنونامی ایک مقام تک پہنچ سکے۔ راہ میں انھیں جاپانیوں کے زمین دوز کئی قلعے ملے جنھیں آگ برسنا کہ تباہ کر دیا گیا۔ جو جاپانی ان میں پھنسے رہ گئے تھے انھوں نے ہری کری خود کشی کر لی لیکن ہتھیار نہ ڈالے۔ ان چیزوں سے اب امریکیوں میں وہ اگلا سا جنون ختم ہو گیا تھا اور اس کے بجائے مفتوحہ جاپانیوں کا وفاران کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ آئو جیما کے علاقہ میں جاپانیوں کے تقریباً ڈھائی سو زمین دوز قلعے تھے، وہ سب کے سب تباہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی بہت سی جاپانی سپاہ بھی ختم ہو گئی۔

دور ناک باب کا اہم ذکر دیا، جس کے بعد جاپان اور امریکہ کی جنگ ختم ہو گئی۔

ایشیا کے اس ہولناک واقعہ سے قبل دوسرے یادگار محاذوں کا ذکر ضروری ہے جہاں جرمن اور اتحادی موت اور زندگی کی جنگ لڑتے ہوئے تھے اس سلسلے کا ایک اہم محاذ شمالی افریقہ کا تھا۔

دشمن کے ٹینکوں کو صرف ٹینکوں ہی کے ذریعہ روکا جاسکتا ہے۔

یعنی ٹینکوں کی جنگ صرف ٹینکوں سے لڑی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ٹینک ایک فولادی قلعہ ہوتا ہے جس کا مقابلہ فقط فولادی قلعہ ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ ٹینکوں کی لڑائی کی بہترین مثال شمالی افریقہ کے درہ فیض کے قریب ملتی ہے جس میں جرمنوں کا ٹینکوں سے حملہ اور اتحادیوں کا ٹینکوں

ہی کے ذریعہ جوابی حملہ ایک یادگار ٹھہر چکا ہے۔ تیس جنوری ۱۹۴۳ء

کو الابین کی جنگ کے بعد جرمنوں نے درہ فیض پر حملہ کیا جو تیونس میں واقع ہے۔ اس سے فراور فرانس کی ایک چھوٹی سی فوج درہ فیض کو

جانے والے راستہ کی حفاظت کے لیے مامور تھی جس کا جرمنوں کا پہلا

ہی یلغار میں صغایا ہو گیا تھا۔ جرمن ٹینکوں نے درہ کے قریب دھاوا

بول دیا اور ٹینکوں کے ایک دستے نے اتحادیوں کے ایک بازو کو روک

لیا۔ اس کے ساتھ ہی جرمنوں نے درہ فیض کے قریب واقع اسی

نام والے قصبے کا محاصرہ بھی کر لیا۔ جس سے اتحادیوں کا راستہ

بالکل مسدود ہو کر رہ گیا۔

یہ جرمن پنزر ڈویژن کی ایک اہم کارروائی تھی جس نے ٹینکوں کے کالم کئی سمتوں میں پھیلا دیے تھے اور سر پر ہوائی جہاز منڈلاتے

رہتے تھے۔ انتہائی شمالی علاقہ میں امریکہ کا فرسٹ ڈویژن پڑا ہوا

تھا۔ جو بیشتر نا تجربہ کار سپاہ پر مشتمل تھا۔ کتنی نا عاقبت اندیشی کی

بات تھی کہ جوابی حملہ ایسے ڈویژن کے سپرد کیا گیا تھا جو جرمنی کے

آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلہ میں بھیج تھا۔ لیکن امریکہ کے فرسٹ

ڈویژن کمانڈر کا حکم تھا کہ جوابی حملہ کر کے جرمن کی پیش قدمی کو روک

دیا جائے۔

آخر امریکی ٹینکوں کا دستہ آگے بڑھنے لگا اور درہ فیض کے جنوب

پہنچنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ جرمنی کے بڑھتے ہوئے ٹینکوں پر حملہ

کر دے۔ اس ڈویژن کی مدد کے لیے ٹینکوں کا ایک اور کالم بریگیڈ پر

راہرٹ کی سرکردگی میں تقریباً چالیس میل دور درہ فیض کی جانب

بڑھ رہا تھا تاکہ دونوں فوجیں درہ کے قریب پہنچ کر مل جائیں۔

دوسری طرف چند ٹینک ایک افسر کی سرکردگی میں روانہ کیے

گئے جنہیں جرمنی کے بڑھتے ہوئے پنزر ڈویژن کا سامنا کرنا تھا۔

اتحادیوں کے ٹینکوں کو حکم تھا کہ فرانسیسی دستے کے جگہ چلے جائیں جس

کا جرمن پہلے ہی خاتمہ کر چکے تھے۔ لیکن جرمن راتوں رات پوری تیار

کر چکے تھے۔ انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر امریکی ٹینکوں کی تواضع

کا سامنا ہم پہنچا دیا، اور جہاں مناسب جگہ نظر آئی، اپنے ٹینک چھپا

کر کھڑے کر دیے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی ٹینک شکن توپیں بھی چھپا کر کھڑی کر دی تھیں۔ مزید برآں دوسری قسم کی توپیں بھی اسی انداز پر امریکیوں کا انتظار کر رہی تھیں ان کا یہ تمام فوجی ساز و سامان توپ خانوں کی نگرانی میں تھا جس کے مقابلے پر امریکی فوج نا تجربہ کار تھی۔ جرمنوں کی یہ کارروائی میدان اور پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں رکھنے کی خاطر تھی تاکہ وہ فیض کی گزرگاہ دشمن کے تصرف میں نہ آجائے۔ اور جرمن جب چاہیں یہاں سے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگا سکیں الغرض امریکی فوج کے کالم درہ کی جانب بڑھنے لگے۔ انھیں قطعی اندازہ نہ تھا کہ جرمن فوجی اپنے پورے ہتھ کھنڈوں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں آخر امریکی افسر نے جوانی حملہ کی پیش بینی کے طور پر اپنی توپوں اور ٹینکوں کو ایک مقام پر پہنچ کر رک جانے کا حکم دے دیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے امریکی ٹینک دشمن کی کین گاہوں کی طرف بڑھنے لگے بارودی سرنگوں سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تمام بچھے آنے والے ٹینک اپنے آگے جانے والے ٹینک کے بنائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں مگر جیسے ہی یہ ٹینک ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچے جرمنی کی ٹینک شکن توپوں نے ان پر آگ برساتی شروع کر دی۔ امریکن ٹینک کے کالم کی نظر جب جرمنی کی ٹینک شکن توپوں پر پڑی تو انھوں نے بھی آگ اگنی شروع کر دی اور ان کے اگلے اور پچھلے تمام ٹینک حرکت میں آ گئے ٹینکوں کی لڑائی میں ٹینک جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں یا دشمن ان پر

حملہ کرتا ہے تو تمام ٹینک اک دم اس میں شریک نہیں ہو جاتے بلکہ ان میں سے چند دشمن پر آگ برساتے ہوئے اسے الجھائے رکھتے ہیں باقی ٹینک صرف بڑھتے رہتے ہیں۔ اتحادی کمان اب اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح درہ فیض کے آواز پر پہنچ کر اپنے ٹینکوں کی لائن سے اس کا منہ اس طرح بند کر دیں جس طرح بوتل کے منہ پر کارک لگا دیا جاتا ہے تاکہ جرمن اس میں سے نکلنے نہ پائیں لہذا امریکی فوج نے پہاڑیوں کے دامن میں پڑی ہوئی جرمن فوج پر آرٹلری، ٹینک اور ہوائی جہازوں سے حملہ کر دیا۔ اس آتشاں جرمن ٹینک بھی درہ سے نکل آئے اور انھوں نے بڑھ کر امریکی ٹینکوں پر جوابی حملہ کر دیا۔ اس طرح ٹینکوں کی ایک گھمسان کی لڑائی پھڑکنی دھواں، مٹی اور گرد و غبار کے بادل ہر طرف چھا گئے۔ ٹینکوں کی گرج اور کڑک سے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ یہ فتح یا شکست کی جنگ نہ تھی بلکہ موت و زندگی کی جنگ تھی۔ ٹینکوں کے فولادی ٹکڑے میدانوں اور گڑھوں میں بڑے دھماکے کے ساتھ گرنے لگے۔ تمام فضا تیرہ دنا رہو گئی۔ امریکن ٹینک جرمن ٹینکوں کے مقابلے میں زیادہ سبک رفتار اور دور مار ثابت ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جرمن ٹینکوں کا نظام بگڑ گیا اور اسے اپنے ہوائی بیڑے کی مدد طلب کرنی پڑی۔ چنانچہ جرمنی کی فضا تیرہ نے آگے ہی امریکیوں پر بمباری شروع کر دی مگر یہ بم باری کارگر ثابت

نہیں ہوتی۔ جرمنی کے بہت سے ٹینک تباہ ہو گئے اور انہیں لپیٹا ہوا
پڑا۔ بہر حال اتحادیوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ اپنے چند ٹینکوں کی قیمت
پر انہوں نے پنزر ڈویژن کی پیش قدمی روک دی۔ اس طرح جرمنی
کی اعلیٰ افیتین کور کو لپیٹا ہوا پڑا۔ بہر حال یہ جنگ فتح و شکست کا
فیصلہ تو نہ کر سکی البتہ اتحادیوں کے لیے جہاں تک ٹینکوں کی لڑائی کا
تعلق تھا کافی تجربہ آموز ثابت ہوئی اور اس سے درہ فیض کی قیمت
کا فیصلہ ہو گیا، یعنی تیونس میں جرمنی کی کمان ڈھیلی پڑ گئی۔

ابن زیو ساحل

۱۹۴۷ء کے اوائل کا واقعہ ہے کہ ابن زیو کے گرم اور خطرناک
پرچھوسے زائد امریکیوں کی جانیں سخت خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ وہ
بڑی طرح پھنس کر رہ گئے تھے اور ان کی رستگاری کی کوئی صورت
نظر نہ آ رہی تھی۔ چنانچہ میجر جنرل ہرمن کو ان کی جانیں بچانے کے
لیے جوا کھیلنا پڑا۔

واقعات یوں پیش آئے کہ بارش کی ایک رات میں ابن زیو
کے کیرپڈ، پانی اور ویدل سے بھرے ہوئے ساحل پر امریکی اور برطانوی
سپاہ پھنسی ہوئی تھی لہذا ضرورت تھی کہ جرمنوں کے پھندے سے
کسی طرح اسے نکالا جائے۔ جرمن فوجیں انتظار ہی کر رہی تھیں کہ
اتحادی آگے بڑھیں تو انہیں کچل کر رکھ دیا جائے۔ اس ضمن میں
جنرل ہرمن کو ایک اہم اور نازک فیصلہ کرنا تھا۔

ایسی نازک پوزیشن سے عمدہ براہ ہونے کے لیے ایک خصوصی سپاہ
کے حمل کی ضرورت تھی لہذا کمانڈر جنرل لوکاس کے حکم سے ایک ایسا دستہ
تیار کیا گیا جسے محصور اتحادیوں کے لیے راستہ بنانا تھا۔ بینک اور توپیں

بھی اس کے ساتھ کر دی گئیں۔ مگر یہ کام کافی سخت تھا کیونکہ آگے کے علاقہ پر پہلے ہی سے جرمن سپاہ قابض تھی۔ اتفاق سے جرمنوں نے بھی حملہ کے لیے اسی بارش کی رات کا انتخاب کیا جب اتحادی صوبہ بولنے کا ارادہ کر رہے تھے لہذا دونوں طرف سے حملہ آور فوجیں بسنے لگیں۔ آخر رات کو تین بجے کے قریب کیچڑ اور پانی سے تر بتر اتحادی سپاہ جنرل ہرمن کی کمان میں اکٹھی ہوئی جنرل ہرمن جب میں بھی بارش سے شرمالور ہو رہا تھا اور اپنی کھلی گاڑی سے ریڈیو کے ذریعہ اپنی فوج کو احکام صادر کر رہا تھا۔

جنگ جاری تھی کہ جنرل ہرمن کو ریڈیو پر اطلاع ملی کہ ساحل کی دوسری سمت سے یعنی اتحادیوں کے عقب میں جرمنوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہاں مدد کی ضرورت ہے۔ سوال یہ تھا کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ وقت بالکل دفعا اور جرمن عقب سے حملہ کی ابتدا کر چکے تھے اور فوراً کسی فیصلہ پر پہنچنا بہت ضروری تھا جنرل لوکاں ریڈیو پر تقاضے پر تقاضا کر رہا تھا کہ جنرل ہرمن جلد مدد کے لیے اپنی فوج روانہ کرے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ جرمنوں کا یہ حملہ جلد شدت اختیار کرے۔ جنرل ہرمن نے ریڈیو پر جواب دیا کہ میری فوج کو یہاں سے ہٹانا نہیں چاہیے۔ مگر اس کا دماغ جلد جلد فوجی نشیب و فراز طے کر رہا تھا جنرل لوکاں کا اصرار بڑا بجا رہا تھا۔ آخر جنرل ہرمن نے ریڈیو پر اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میری فوج نے تمام رات

بارش اور کیچڑ میں سفر کیا ہے اور نکان سے چور چور ہو رہی ہے۔ اب اگر وہ پھر ایک طویل فاصلہ طے کرتی ہوئی آپ کے پاس واپس بھیجی جائے تو مارے تھکن کے لڑنے کے قابل نہ رہے گی۔ صبح ہونے والی ہے پھر بھی بارش کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ دلیل جنرل لوکاں کی سمجھ میں بھی آگئی اس نے اتفاق کرتے ہوئے ریڈیو پر کہہ دیا کہ اچھی بات ہے اپنی فوج کو وہاں رہنے دیں، میں صبح تک جرمنوں کو روک رکھنے کی کوشش کروں گا۔

اس طرح جنرل ہرمن نے جرمنوں پر حملہ کرنے کا جو پلان بنایا تھا وہ قائم رہا پھر اس نے اپنے توپ خانہ کے کمانڈر کو طلب کیا۔ توپ خانہ ایسے مواقع پر بڑا اہم پارٹ ادا کرتا ہے۔ اس کے دو تانین کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے قبضہ میں جو علاقہ ہے اسے توپ کے ذریعہ دھن کر رکھ دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ میری فوج کو جس راہ سے حملہ کرنا ہے اسے بھی توپوں کی مدد سے دشمن سے صاف کر لیا جائے۔ ان راستوں کے نقشے امریکیوں کے پاس موجود تھے لہذا جنرل ہرمن نے اپنی آرٹیلری کے کمانڈر سے بتا دیا کہ ان علاقہ پر توپوں سے اتنی شدید گولاباری کی جائے کہ دشمن کا کوئی نفر زندہ نہ بچے۔ وائس اور بائیس جرمنوں کی مضبوط دفاعی فوجیں پڑی تھیں۔ اگر توپ خانہ کی گولاباری کا گڑبڑ ثابت نہ ہوئی تو امریکی سپیل وشن کا صفایا

ہو جائے گا زبردست خطرہ تھا اس لیے توپوں سے کور دیتا تھا۔
لیکن یہ کور (COVER) ایک تسلسل کے بجائے وقفہ وقفہ سے ہونا چاہیے
تھا ورنہ امریکی فوج کس طرح آگے بڑھتی۔

قبضے کے چار بجے ہوں گے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد دون نکلنے والا تھا۔
لہذا ابھی کافی وقت باقی تھا کہ امریکی پیدل فوج حملے کے لیے آگے بڑھ
کر پوزیشن سنبھال لے۔ اسی لیے امریکی دستے خاموشی سے پوزیشن پر
جائے شروع ہو گئے۔ لیکن دفعۃً جنرل ہرمن کا ریڈیو پھر لولا۔ کوئی ضرورت
کال آئی تھی۔ ریڈیو افسر نے کال کو سنا اور ریڈیو جنرل ہرمن کے حوالہ کر
دیا کیونکہ کال اسی کے نام کی تھی۔ یہ کال امریکی پینٹا لیسیوس پیدل فوج
کے کرنل ناسک کی تھی۔ جنرل ہرمن کا مزاج بگڑ گیا اس نازک موقع
پر جب کہ امریکی توپ خانہ اپنی اہم کارروائی شروع کرنے ہوں
والا تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے کوئی کال کے ذریعہ مداخلت کر رہا تھا۔ جنرل
ہرمن دل میں کہنے لگا۔

”کون ہے بھئی اور کیا چاہتے ہو اس وقت؟ جنرل ہرمن نے ریڈیو
کال کا تیزی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ کیونکہ ادھر امریکی آرٹیلری
ہرمن کے حکم کی منتظر ہی تھی کہ فوراً اگلے علاقہ پر آگ برساتی شروع
کر دے۔

”اچھا کرنل ناسک بول رہے ہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔
جلدی سے کہئے۔ میرا توپ خانہ سامنے گولا باری شروع کیا ہی جاتا

ہے۔“ جنرل ہرمن نے ریڈیو پر کرنل ناسک سے کہا۔ ہرمن کے یہ الفاظ
شن کرنا سبک بول کھلا اٹھا۔

جی ہاں میں علم ہے کہ آپ اپنے گے بڑھے ہوئے دستوں کو نوپ
کا کوئٹج (COVER) دینے ہی والے ہیں لیکن جبرانی کر کے اپنی گولا
باری کو روک دیجیے میں اصرار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گولا باری نہ
کریں کیونکہ جس علاقہ پر آپ اپنی نوپوں کا منہ کھولتے والے ہیں وہاں
ایک امریکی دستہ چھنسا ہوا ہے لہذا اس علاقہ پر گولے برسانے کا حکم
منسوخ کر دیجیئے۔

کرنل ناسک ریڈیو پر ہرمن سے التجا کر رہا تھا۔ اس نے درست کہا
تھا۔ اس گولا باری سے خود امریکی ہی مرتے۔

”کیا کہہ رہے ہو کرنل یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس علاقہ میں امریکی دستہ
چھنسا ہوا ہے، یہ کیا حماقت ہے؟ جنرل ہرمن نے غصہ سے ریڈیو پر
ناسک سے کہا۔

مجھے بہت افسوس ہے جنرل ہم آپ کی کارروائی میں غلط نہ ہوتے
مگر معاملہ بڑا سنگین آپڑا ہے۔ ہماری ایک بٹالین غلطی سے آپ کے منہ
میں پہنچ گئی ہے اور اس نے عین اس علاقہ میں پوزیشن لے لی ہے۔

جس کو آپ اپنی توپوں کے ذریعہ صاف کرنا چاہتے ہیں تاکہ دشمن اس
طرف بڑھنے نہ پائے۔ میں برابر کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ اس بٹالین
سے رابطہ قائم کروں تاکہ وہ جلدی سے اس علاقہ کو خالی کر دے۔ ہم

کی۔

”اچھی بات ہے۔ میں تمہیں پانچ منٹ دیتا ہوں۔ تم پھر فوراً مجھ سے رابطہ قائم کرنا۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔“ آخر ہر من نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ پھر وہ جلد جلد میں ان نازک حالات کا جائزہ لینے لگا۔ سویرا ہونے ہی والا تھا۔ جنرل ہرمن کی نگاہ اپنی گھڑی پر تھی۔ اب بھی وقت تھا کہ مجوزہ علاقہ پر گولاباری شروع کر دی جاتی۔ وقت نکلی گیا تو اس محاذ پر دشمن کا قبضہ ہو جائے گا جس سے تمام امریکن افواج کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے والا تھا۔ جنرل ہرمن کو فی الفور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا تھا مگر چھ سو پچھتے ہوئے امریکی فوجیوں کی جان کا سوال تھا۔ ہرمن ان کو کس طرح اپنی ہی توپوں سے ہلاک کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس ساحل پر امریکی فوج کی زندگی و موت کا بھی سوال تھا۔ چھ سو آدمیوں کو بچانے کے لیے کئی ہزار فوجیوں کو بھی نو قربان نہ کیا جاسکتا تھا اپنی ایک کم تعداد سپاہ کی خاطر کثیر تعداد فوج کو کیونکر موت کے منہ میں دھکیلا جاسکتا تھا۔ ایسے ہی نازک مواقع پر ہوشیار جنرلوں کی فراست کام آتی ہے۔ قلیل تعداد فوج ہو یا کثیر تعداد وہ سب کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی متواتر سعی یہی ہوتی ہے کہ اپنے کم سے کم آدمی کام آئیں۔

اب اگر میں چھ سو پچھتے ہوئے امریکیوں کی خاطر اپنی تمام فوج کو بربتوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہوں تو اس کا جواب وہ کون ہوگا اس ساحل سے ہمارا ایک آدمی بھی بچ کر جاسکے گا۔ ہرمن سخت پریشانی

اس معاملہ میں تھے کہ اپنے اس دستہ نے وہ علاقہ خالی کر دیا ہوگا۔ مگر ابھی ابھی ہیڈ آفس سے اطلاع آئی ہے کہ اپنا دستہ اب تک وہیں موجود ہے۔“ ناسک نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

عین وقت پر اس قسم کی غیر متوقع اطلاع سے لوٹھے جنرل ہرمن کو پہلے تو براغضب آیا کہ اپنوں ہی نے اس کی معقول و طے شدہ کارروائی کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد وہ سخت پریشان ہوا کہ اب کیا کرے اور سوچنے لگا کہ دشمن کی یلغار کو روکنے کے بجائے کیا بغیر لڑے ہی اپنی ایک پوری بٹالین کو قربان کر دے۔ جنرلوں کو میدان جنگ میں ٹری بڑی گھنٹیوں سے سابقہ پڑتا ہے جنہیں وہ اپنی فوجی مہارت اور تجربہ کار سے سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں

”میری مجوزہ گولاباری نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کرنل ناسک اور آپ کو بھی اس کا اچھی طرح علم ہے۔ میں اگر اس گولاباری کو ملتوی کرتا ہوں تو تمام ساحلی علاقوں اور ہماری فوجوں کو دشمن سے سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس کی تائید ابھی چند منٹ پیشتر جنرل لوکا کس بھی کر چکے ہیں۔ حکم تو حکم ہی ہوتا ہے یہ تم بھی جانتے ہو۔ میں اس حملے کو نہیں روک سکتا۔ اچھا یہ تناؤ کہ تم اس امریکی بٹالین کو وہاں سے جلد از جلد کتنی دیر میں نکال سکتے ہو؟“ آزمودہ کار جنرل ہرمن نے ریڈیو پر کرنل ناسک سے دریافت کیا۔

”براہ کرم مجھے چند منٹ کی مہلت دیجیے۔“ کرنل ناسک نے درخواست

جرمن فوج دوڑ پڑی تھی وہ ہرمن کی شدید گولہ باری سے تباہ ہونے لگی۔

رات جرمنوں نے عقب سے جو اس جزیرے پر حملہ کیا تھا وہ بھی ان کی ایک زبردست چال تھی۔ اس کا راز یہ تھا کہ آگے کے علاقے سے وہ امریکیوں کی توجہ مبذول دیتا چاہتے تھے اور یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ان کا اصل حملہ عقب ہی سے ہے حالانکہ فوجی نقطہ نظر سے یہ حملہ صحیح نہ تھا۔ اسی وجہ سے آزمودہ کار بوڑھا جنرل ہرمن جرمنوں کی چال میں ڈبیا اور اس نے جرمنوں کے آگے بڑھنے کی کارروائی کو اگلے علاقہ پر شدید گولہ باری کر کے روک دیا۔ اب اس علاقہ میں چالیس امریکی سپاہی پھنسے رہ گئے تھے۔ ان سے اگر بھلت مکتہ، غمخاندہ کرایا جانا تو جنرل ہرمن اپنے صاحب فیصلہ کی بنا پر ہزاروں امریکی سپاہیوں کو چچا کی خاطر چالیس فوجیوں کی جانوں کی پرواہ نہ کرتا۔ بہر حال جنرل ہرمن کی اس کارکنہ کاری سے اس ساحل پر جرمنوں کی پیش قدمی رک گئی۔ اس کے علاوہ روم پر حملہ کے لیے ایک نئی راہ کھل گئی۔ حالانکہ اس کا وقت بہت بعیدیں آیا۔ جنگی کارروائیاں ہمیشہ صحیح وقت اور موزوں لحاظ ہی میں کی جاتی ہے۔ وقت گزر جانے کے بعد وہ اکثر بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔



Anzio, April 1944

سے سوچ رہا تھا اور اس کے نزدیک توپ خانہ کا منہ کھول دینا ناگزیر ہو گیا تھا، بغیر توپ خانہ کی مدد کے امریکن افواج کو آگے بڑھانا موت کو دعوت دینا تھا۔ ہرمن انھیں کاٹ کر رکھ دیتے۔

جنرل ہرمن انہی تکلیف دہ خیالات میں غطان و چپال تھا کہ ایک دفعہ پھر ریڈیو بولا اور کرنل ناسک کی آواز آئی۔ ”ہمارا پھنسا ہوا دستہ بیٹلین پر مشتمل نہیں ہے یہ اطلاع مجھے ابھی ابھی ملی ہے بلکہ صرف ایک دستہ ہے جس میں فقط چالیس سپاہی ہیں۔“ جنرل ہرمن نے قدرے اطمینان کا سانس لیا مگر پھر وہی سوال سامنے آیا کہ اپنے ہی چالیس جاننازوں کو اپنی ہی توپوں سے کس طرح اڑا دیا جائے۔ بہر حال کرنل ناسک نے بتایا کہ ان چالیس سپاہیوں سے وہ علاقہ خالی کرایا جا رہا ہے خیراب وقت مطلق ضائع نہیں کیا جاسکتا لہذا جنرل ہرمن نے توپ خانہ کو فائرنگ کا حکم دے دیا اور آگے کے علاقہ میں ایک بارگی توپوں کے سہ ہونے سے جیسے زلزلہ آگیا۔

”خدا مجھے معاف فرمائے۔ میں اپنے ہی چالیس آدمیوں کی جانوں کو نظر انداز کر رہا ہوں تاکہ دوسری ہزاروں جانیں بچ جائیں۔“ جنرل ہرمن نے دل ہی دل میں کہا اور اس کے اس فیصلہ پر شاید قدرت کو رحم آگیا کیونکہ ابھی ان چالیس امریکیوں نے جبکہ خالی ہی کی تھی کہ وہاں جنرل ہرمن کی توپیں آگ کی بارش کرنے لگیں۔ اس طرح ان چالیس سپاہیوں میں سے تو کوئی ضائع نہیں ہوا البتہ اس علاقہ پر قبضہ کرنے کو جو

بیمار اور کمزور ہیں کہ ان سے جلاتک نہیں جاتا۔ اس کے علاوہ جاپانیوں کا ایک اور دستہ بھی ہے آئے والا ہے۔ جو قیدیوں کی نگرانی کے لیے کافی سے زیادہ ہوگا۔

جاپانی یہ جانتے تھے کہ امریکی فوجی جنگل کی لڑائی کے کام کے نہیں ہیں، اسی لیے انھوں نے یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ وہ بزدل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جاپانی امریکی قیدیوں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کرنے لگے تھے اور کپتان اومارا قیدیوں کو اچھی طرح قابو میں رکھنے کو انھیں تیزی سے قدم اٹھانے کو کہتا تھا تا کہ قبل مارچ انھیں اس قدر تھکا ڈالے کہ وہ کسی کام کے نہ رہیں۔ اس نے قیدیوں کو ایک حکم کے ذریعے گاہ کر دیا تھا کہ اگر کسی کے قدم سست پڑے تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ فرض کرو کہ ان بیمار اور کمزور قیدیوں میں سے کوئی ذلیل مارچ کا ساتھ نہ دے سکا تو کیا ہوگا؟ کپتان اومارا کے ایک ساتھی نے سوال کیا۔ اس کا جواب اومارے یہی دیا۔ ذرا سی بھی قانون شکنی پر کسی قیدی کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے سینے میں سنگین گھونپ دی جائے گی۔ چلنے والا قیدی اگر گر بھی جائے تو اس پر کوئی رحم نہ کیا جائے گا بلکہ اسے بھی مار ڈالا جائے گا کیونکہ کسی جاپانی سپاہی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ گرے ہوئے قیدی کے پھر اٹھ کھڑے ہونے کا انتظار کرے۔

نفس پلے ایک مضبوط امریکی قیدی اس کے سامنے سے گزرا

علاقہ تبتان

۱۹۴۲ء میں جاپانیوں نے بہت سے امریکی سپاہیوں کو قیدی بنالیا تھا۔ یہ قیدی جاپانی کپتان اومارا کی نگرانی میں تبتان کے علاقہ سے پننگا کے علاقہ کی طرف لے جانے جا رہے تھے۔ تبتان سے پننگا کا فاصلہ تقریباً ساٹھ میل تھا۔ پننگا سے ان کو ہزار کے ذریعہ دول کے کیمپ تک پہنچنا تھا۔ جو جنگی قیدیوں کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ ان قیدیوں پر جاپانیوں نے جو ظلم ڈھائے اس کی داستان بڑی لمبہ و غیر ہے قیدیوں کے نگر ان کپتان اومارا کے ساتھ اس کے دو اور مددگار بھی تھے وہ بھی کپتان اومارا ہی کی طرح سنگ دل واقع ہوئے تھے۔ قیدیوں کا قافلہ ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ جاپانی کیمپ سے خبر آئی کہ ایک ہزار قیدی اور آئے والے ہیں۔ مزید ایک ہزار قیدیوں کو کنٹرول کون کرے گا؟ کپتان اومارا کے ماتحت لے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ وہ شاید اس خبر سے تشویش میں پڑ گیا تھا کہ امریکی قیدیوں کی برسی تعداد جمع ہو کر کہیں جاپانیوں کے اس چھوٹے سے نگران دستہ پر حملہ نہ کر دے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان قیدیوں میں بیشتر ایسے

حال انھیں دشمن کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ افتان و خیزاں ڈبل مارچ کرنے لگے۔

چند منٹ بعد ایک جاپانی سپاہی نے اوماراکو اطلاع دی کہ امریکی قیدی سڑک کے کنارے تھوڑا دم لینا چاہتے ہیں۔ اومارائے اس درخواست کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک امریکی قیدی کو لاشن سے نکلنے دیکھا جو آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے کی طرف جارہا تھا۔ اومار تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور سختی سے بولا کہ خبردار رکنا نہیں، چلتے رہو ورنہ تمھاری خبر لی جائے گی۔ امریکی قیدی نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا جن پر کٹائی زخم تھے اور اس کے تلووں میں آبلے علیحدہ پڑے ہوئے تھے۔ اومارائے اسے خفارت سے دیکھا اور اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کر کے چل دیا۔ اسی اثنا میں دو اور تباہ حال قیدی لاشن سے علیحدہ ہو کر مارے ضعف و تکلیف کے زمین پر گر پڑے۔ قیدیوں کو چونکر رکنے کا حکم نہ تھا اس لیے ان کی شامت آگئی۔ مگر دوسرے امریکی قیدیوں نے انھیں بڑھ کر جلدی سے گھسیٹ کر اٹھالیا وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اپنے خستہ حال گرے ہوئے ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دیا گیا تو جاپانی ان کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ چند ہی منٹ بعد ایک اومارامیکی قیدی جس کی زبان سپاس کے مارے باہر نکلی ہوئی تھی پیٹ پکڑے ہوئے ڈنگمگاتا کپتان اوماراکو طرف بڑھتا کہ اس سے اپنی تکلیف بیان کرے،

اس کے پیچھے دوسرے قیدی تھے جن کے چہروں پر نفاتوں کی وجہ سے ہوا میاں اڑ رہی تھیں پھر بھی وہ تیز گامی سے چل رہے تھے۔ ان کے لباس تار تار رہو رہے تھے اور جموں پر میل جم رہا تھا۔ جاپانیوں کا محاذ دستہ انھیں ٹھوکریں مار کر گھسیٹ رہا تھا۔ اسی وقفے میں ایک جاپانی سپاہی ایک امریکی افسر کو دھکا دیتا ہوا کپتان اوماراکے سامنے لایا اور اس نے اس کے ایک لات رسید کی۔ امریکی افسر نے کپتان اومارے پانی کی درخواست کی اور اسے بتایا کہ دوروز سے اس کے تمام ساتھی پیاسے ہیں بخود افسر کی زبان سپاس کی شدت میں تالو سے چبکی جا رہی تھی اور ملوک خشک ہونے کی وجہ سے اس کی آواز نہ نکل رہی تھی۔ کپتان اومارامرکی قیدی افسر کی درخواست پر خفارت سے ہنسا پھر پھر تحقیق پھر میں بولا۔ یہ تو تمھیں پہلے سوچنا چاہیے تھا تم جاپانیوں سے مقابلہ کے لیے نکلے ہو تو اب جھگٹو۔

”ہمارے پانی کے ذرائع تمھارے آدمیوں نے تباہ کر ڈالے۔ اسی وجہ سے ہمارے حلق میں دوروز سے پانی کی ایک بوند تک نہیں گئی۔ امریکی افسر نے اوماراکو تحقیق کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ہمیں ابھی تم لوگوں سے لڑنا ہے، ہم کو بھی پانی کی ضرورت پڑے گی لہذا تمھیں پانی نہیں دیا جاسکتا۔ اومارائے سختی سے کہا اور افسر کے پاس سے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے قیدیوں کو ڈبل مارچ کا حکم دیا۔ اس سے قیدیوں میں ہراس و یاس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بہر

دور سے تو انھوں نے اپنے ہی ایک آدمی کو زمین پر تر پٹا پایا، اس کے سینے میں نوکیلے بانس کا ایک تیر پوہ بست تھا۔ یہ کسی گوریلے کی کارروائی تھی۔ جاپانی بھی گھنے جنگل کی لڑائی میں ایسے ہی تیروں سے امریکیوں کو مار کر کتے بنائے تھے تاکہ آواز نہ ہو۔

اس واقعہ سے باخبر ہونے کے بعد اومار اچو کنا ہو گیا اور اس نے یقین کر لیا کہ جنگل میں کہیں گوریلے موجود ہیں لہذا ہتر بہت کہ رات ہونے سے قبل سب جنگل سے نکل جائیں اور تیزی سے کسی ریلوے اسٹیشن تک جا پہنچیں مگر اس کے لیے تیز گامی کی سخت ضرورت تھی۔ اور امریکی تیز گامی سے چلنے سے قاصر تھے۔ پھر بھی اومار نے حکم دیا کہ قیدیوں کو تیز تیز بانس کا جالے۔ اب قیدیوں پر لائیں، گھولنے اور بند قوتوں کے کندے چٹنے لگے تاکہ وہ جلد جلد قدم اٹھائیں۔

اس شقاوت کی تاب نہ لا کر ایک امریکی افسر قیدیوں کی لائن سے نکل کر کپتان اومار کے پاس آیا اور اس سے بولا کہ ہمارے آدمی بھوک پیاس، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے کسی طرح تیز چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ لہذا آپ انھیں تھوڑا سا سنا لینے کی اجازت دیں۔ مگر کپتان اومار نے سر ہلا کر کہا کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ ہمارے لیے پرخطر ہوگا کیونکہ مختار سے مددگار گوریلے جنگل میں کہیں چھپے ہوئے ہیں اور رات کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ امریکی قیدی نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا اور آخری التجا کے طور پر بولا ہم یہ گارنٹی دے سکتے ہیں کہ ہم

انھیں پانی پلانا چاہتا ہے مگر اس کے وہ پانی زمین پر پھینک دیا جس کو متنبی ہوئی زمین نے فوراً جذب کر لیا اور قیدی پانی کے لیے ترستے رہ گئے۔

اتفاق سے اسی وقت ایک جیپ کا ریڈیٹر ٹوٹ گیا جس سے گرم گرم پانی نکل کر بہنے لگا۔ قیدی اس کھولتے ہوئے پانی پر ٹوٹ پڑے اور اپنے لب تر کرنے لگے مگر کپتان اومار نے انھیں سختی سے ڈانٹ دیا اس کی اجازت نہیں ہے۔

بہر حال قافلہ پھر چلنے لگا۔ تھوڑی دیر چل کر کچھ گرم پانی ہوئی۔ بہا بہا کر بندے اڑ رہے تھے اس سے جاپانی اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ جنگل میں کوئی چھپا ہوا ہے۔ انھیں گوریلوں کا اندیشہ تھا لہذا اومار نے حکم دیا کہ کچھ سپاہی گوریلوں کا مقابلہ کریں اور چندل کر امریکی قیدیوں کا صف بکارت دیں تاکہ گوریلے دیکھ لیں کہ امریکیوں سے ہمدردی جتانے کا یہ انجام ہوتا ہے اس سے ہراساں ہو کر گوریلے چلے جائیں گے۔ مگر ابھی کوئی خطرہ سامنے نہ آیا تھا۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد اومار نے سب کو رک جانے کا اشارہ کیا۔ اب اس نے شاید کسی خطرے کا احساس کر لیا تھا۔ قیدیوں کی لائن رک گئی تو اس نے اپنے دو تین آدمیوں کو سامنے کی گھٹی جھاڑیوں کی طرف روانہ کیا۔ جھاڑیوں کی تلاشی لی گئی مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ قافلہ فاصلے پر کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ سپاہی لپک کر آواز کی طرف

مطمن اور خوش تھا۔ چند روز کے بعد اومار کو امریکیوں سے لڑنے کے لیے ایک دوسرے محاذ پر جانا پڑا جس میں وہ خود بھی کام آگیا اور اس کی پوری ٹپالین کا بھی خاتمہ ہو گیا۔



Dead soldiers on the Bataan Death March.



Prisoners on the march from Bataan to the prison camp, May 1942

میں سے کوئی قیدی فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لیکن کپتان اومار نے سختی سے انکار کر دیا اور افسر سے کہا کہ جا کر واپس قیدیوں کی قطاریں شامل ہو جائے۔ مگر افسر اپنی جگہ سے نہ ہلا اور بولا کہ ڈیل مارچ کرنے سے میرے آدمی زندہ نہیں بچیں گے۔ پھر بھی اومار نے اس کی ایک نہ سنی اور ایک سپاہی کو اشا لکھا جو اسے گسیٹ کر لے گیا۔ پھر اسے دوسرے قیدیوں میں شامل کرنے کے لیے علیحدہ لے کر چلنے لگاتا کہ وہ قیدیوں میں بغاوت نہ پھیلانے۔

”تیز چلو“ سپاہی نے اسے اومار کے حکم سے آگاہ کیا۔ مگر قیدی افسر کے تو پیر ہی نہیں اٹھ رہے تھے وہ کیا تیز چلتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپاہی نے افسر کی پیچھے میں سنگین گھونپ دی جو اس کا سینہ پار کر کے باہر نکل آئی۔ افسر ٹوٹ کر زمین پر گر گیا۔ دوسری جانب اومار نے قریب پہنچ کر اس کے سر میں گولی مار دی۔ اس سے دوسرے امریکی قیدیوں میں سخت اضطراب پھیل گیا اور انھوں نے اپنی لائن سے نکل کر سپاہیوں پر حملہ کر دیا مگر نشتے کیا لڑتے۔ سپاہیوں نے پانچ چھ قیدیوں کو گولی سے اڑا دیا۔ اس طرح بظاہر قیدیوں کی بغاوت فرو ہو گئی۔ کافی دور چلنے کے بعد جاپانیوں کی دوسری فوج آگئی۔ اس نے قیدیوں کو جانوروں کی طرح ٹرکوں میں ڈالا اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔

کپتان اومار اب اپنے فرض سے مبراک دوش ہو گیا تھا۔ وہ بہت

جنگ یا خودکشی

اوکی ناوا (Okinawa) کی بحری جنگ میں جاپانیوں نے امریکی بحری بیڑے کے ٹکڑے اڑا دیے تھے اس جنگ کے لیے انھوں نے اپنی فضائیہ کے ایک دستہ کو جو ایک سو نوے ہوائی جہازوں پر مشتمل تھا امریکی بحری بیڑے کی تباہی کے لیے مختص کر دیا تھا۔ یوں سمجھیے کہ جاپان کے یہ ایک سو نوے ہوائی جہاز اپنی حفاظت کی پردا کیے بغیر امریکی بحری جہازوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے تھے گویا خودکشی کر رہے ہوں۔ امریکہ کا سپاہی، جو زندہ رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کا خواہاں ہوتا ہے، موت سے ڈرتا ہے اس کے برعکس جاپانی سپاہی اپنے وطن کے لیے کٹ مرناسپند کرتا ہے۔

اوکی ناوا کی جنگ ۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی جسے جاپان اور امریکہ کی آخری جنگ سمجھنا چاہیے۔ امریکی بحری جہاز ہیبڈلی (Hibiki) سمندریں گشت پر نکلا تھا۔ اس کے ہمراہ اور بھی چند چھوٹے جہاز تھے جن کو خودکشی کرنے والے جاپانی فضائیہ نے ڈبو دیا تھا اور

امریکی جہاز ہیبڈلی کو بھی ایسا نقصان پہنچایا تھا کہ وہ ناقابلِ مرمت نظر آتا تھا۔

اس جنگ میں واقعی جاپانی ہوا بازوں نے کمال کر دیا۔ وہ ہم یاراکٹ لے کر جہازیں سے امریکی بحری جہاز پر گر پڑتے تاکہ نشانہ بن جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان والفیئر ہوا بازوں کے ٹکڑے اڑ جاتے مگر وہ امریکی جہاز کو ڈبو کر رہتے۔ ان ہوا بازوں کے علاوہ اور بھی خودکشی کرنے والے جاپانی والفیئر تھے جن کا یہ کام تھا کہ نہایت توی پھٹنے والا مادہ لے کر کشتیوں کے ذریعہ بڑھتے تاریک چلاتے اور خود بھی ان کے ساتھ اڑ جاتے تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکیں۔

جاپان کے اس بے محابا طریق جنگ سے امریکہ عاجز آ گیا کیونکہ اس طرح اس کے بارہ ہزار آدمی مارے جا چکے تھے اور ان سے تین لاکھ آدمیں زخمی ہو گئے تھے۔ تنہا اوکی ناوا میں سات ہزار سے زیادہ امریکی مر گئے تھے اور لاکھ آدمی زخمی ہوئے تھے۔ امریکی بیوی کو بھی اس جنگ میں شدید نقصان پہنچا تھا اس کے بھی پانچ ہزار آدمی ختم ہو گئے تھے اور اتنے ہی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ امریکہ کے تیرہ تباہ کن جہاز اور ایک کیرئیر غرق کر دیے گئے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے بارہ کیرئیر، دس جنگل جہاز اور پانچ کروڑ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ خودکشی کرنے والے جاپانی دستوں نے اپنی جانیں قربان کر کے

کے منہ میں پانی بھرٹے گا کہ اچھا شکار آگیا۔ خیال تھا کہ اگر جاپانیوں نے حملہ کر کے ٹرانسپورٹ کو دوسرے جہازوں سے کاٹ دیا تو امریکی ملاح اور فوجی دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے پھر ان کا بچنا محال ہوگا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ جزیرہ اوکی ناوا کے گرد امریکی بحری بیڑا حلقہ ڈال دے اور امریکی سپلائی لائن اور ٹرانسپورٹ پر جاپانی ہوائی جہاز حملہ کریں تو ان کے خلاف توپوں کی دلواری کھڑی کر دی جائے۔

اس طرح جزیرہ اوکی ناوا کے شمال جنوب اور مشرق میں گھیر ڈال کر امریکی چوکیاں قائم کر لی جاتیں پھر ہر چوکی کے سپرد چند جنگی جہاز اور چار پانچ ہوائی جہاز کر کے امریکیوں نے اپنی وادست میں حفاظت کا بورا سامان کر لیا تھا اور آپس میں رابطہ کا انتظام بھی تھا۔ جاپانی ہوائی حملہ کی صورت میں ٹرانسپورٹ وغیرہ کی حفاظت کے لیے ایسی تدابیر اختیار کی گئی تھیں کہ دھواں بلند کر کے انھیں دھویں کے پردے میں چھپا دیا جائے امریکہ کے اس بحری بیڑے کی مدافعت کے لیے جنگی جہاز بیڈلی کو مامور کیا گیا تھا۔

آخر گیارہ اپریل کو جزیرہ اوکی ناوا کے آسمان پر جاپانی ہوائی جہاز نمودار ہوئے۔ ان کے نمودار ہوتے ہی زور زور سے خطرے کے سائرن بجنے لگے اور زمین پر سے جہاز مار توپوں نے فائرنگ کا آغاز کر دیا۔ جاپانی ہوائی جہازوں میں خود کشی کرنے والے والنٹیر موجود تھے۔ جنھوں نے امریکہ بھر کے سردار جہاز بیڈلی کو تاک لیا مگر جیسے ہی جاپانی

امریکی نیوی کو نقصان عظیم پہنچا دیا تھا اور اسے جاپانی اپنی کامیابی سمجھنے میں حق بجانب تھے کیونکہ جان قربان کرنے کے جذبہ ہی پر فتح و نصرت کا انحصار ہوتا ہے جو دو جاپانیوں کا کتنا نقصان ہوا تھا۔ اس کا اندازہ آج تک نہ لگایا جاسکا۔

بہر حال امریکی بحری بیڑے پر زبردست مار پڑی اور اس مار کی زد میں بہت سے چھوٹے موٹے بحری جہاز بھی آگئے تھے۔ پھر بھی امریکی بحری بیڑے نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فتح و شکست کا ابھی کوئی سوال نہ تھا۔ جنگ میں جاپان کے تقریباً اٹھانوے تباہ کن جہاز اور پچاس سے زیادہ ڈیلیٹر ویر کے محافظ جہاز حصہ لے رہے تھے۔ ان میں سے کئی کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ جنگ ایک جزیرے کے لیے ہو رہی تھی جس کو امریکہ نے فوجی اڈا بنانے کے لیے تجویز کیا تھا کیونکہ وہ جزیرہ جاپان سے قریب ترین واقع تھا۔

مارچ ختم ہو کر اپریل لگ چکا تھا۔ امیر البحر مشرق (Nimitz) کو معلوم تھا کہ اب جاپان کی طرف سے سخت مدافعت جنگ لڑی جائے گی لہذا اس نے بحریہ کی مزید کمک روانہ کی۔ یعنی پندرہ سو بحری جہاز جن کا علمہ پچاس ہزار ملاہیں پر مشتمل تھا۔ بارہ سو سے زیادہ سپلائی کے جہاز اور ٹرانسپورٹ ایک لاکھ بیاسی ہزار امریکیوں کو لے کر اوکی ناوا کی سمت چل پڑے۔ اس کے علاوہ تین سو ہوائی جہاز بھی موجود تھے لیکن اتنے بڑے ٹرانسپورٹ اور اس قدر جہازوں کو دیکھ کر اندیشہ تھا کہ جاپانیوں

توپوں کا نشانہ بنے اور کتنے فضا فی جنگ میں کام آئے مگر اب بھی ایک سو چالیس ہوائی جہاز بیڈلی پر آسمان سے موت برسائے میں مصروف تھے۔ دو گھنٹے تک یہ موت کا کھیل جاری رہا اور امریکی بحریہ کے سر پر آگ برستی رہی۔ اس میں سینکڑوں انسان کام آئے۔ یہ جنگ اگرچہ فتح و شکست کی جنگ نہ تھی پھر بھی اس کے نتیجہ کا اثر آئندہ کی لڑائیوں پر پڑنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ایک ہوائی حملہ میں جاپان کے تین تین، چار چار ہوائی جہاز بیڈلی کو تباہ کرنے کے لئے اس پر گر رہے تھے جو کبھی نشانہ ہو جاتے کبھی کامیابی سے نشانہ پر جا لگتے۔

اس دھواں و ہار فضا میں بہت سے امریکی ملاح بے ہوش ہو گئے اور کئی ملاخوں کو تو قہ آتی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیڈلی کے ایک سانحہ جہاز پر براہ راست کئی بم گرے اور وہ غرق ہو گیا۔ اب بیڈلی تنہا رہ گیا تھا اور مسلسل جاپانی بموں کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ آخر چند منٹ بعد ہی بیڈلی پر دو تین ہوائی جہاز مع اپنے طاقتور بموں کے آکرے جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ اس کا پاور انجن بے کار ہو گیا پھر بھی اس کے بچے بچے تو بچی توپیں داغنے رہے مگر بیڈلی اب اتنا خستہ ہو گیا تھا کہ اس میں تیزی سے پانی بھرنے لگا۔ ساتھ ہی جاپانی بموں نے اس کے وسطی حصے پر گر کر اس کے ٹکڑے اڑا دیے اور بیڈلی آخر کار مع اپنے حملہ کے سمندر کی تہ میں بیٹھ گیا جو ملاح سمند میں کود گئے تھے ان میں سے بھی بہت سے مارے گئے۔ ان کی تعداد اٹھائیس تھی۔ ساتھ سے زیادہ

جہاز زہر آئے بیڈلی کی توپوں کا نہ کھل گیا اور انھوں نے ایک ہوائی جہاز مار گرایا۔ اس کے بعد راڈ کے ذریعہ امریکی کپتان نے اپنے ہوائی یونٹ کو اطلاع دی کہ شمال کی طرف سے جاپانی ہوائی جہاز موج دو موج چلے آ رہے ہیں۔ عین اسی وقت جاپانی فضا نیٹے آڑے ترچھے ہو کر ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ ان کے بم کے دھماکوں سے کان پڑی آواز سنانی نہ دیتی تھی۔ ہر طرف توپوں اور بموں کی گرج، پو پو فداگ ہی آگ، ایک عجیب قیامت کا سماں تھا جسے دیکھ کر دل لرز اٹھتے تھے۔

اب بحری جہاز بیڈلی پر بھی بم گرنے لگے تھے جس سے وہ بری طرح لرز اٹھا تھا۔ اس کے ملاح دھماکوں کی تاب نہ لا کر فرش پر گر پڑنے لیسے میں شہر اور ہو جاتے، پھر اٹھ کر توپیں سر کرنے لگتے۔ ہزار امریکی ملاح ہراساں ہو کر سوچ رہا تھا کہ انسان ایسے شدید حملوں کی کب تک تاب لا سکتا ہے۔ بہر حال امریکی ملاح حتی الوسع مقابلہ کرتے رہے اور مرتے رہے انسانی جہازیں بڑی بے دردی سے ضائع کی جا رہی تھیں ان کی صرف اتنی قیمت رہ گئی کہ جہازت پسند حملہ آوروں کا کسی طرح منہ پھیر دیا جائے دھماکوں سے بہت سے ملاخوں کے کانوں کے پردے بھی پھٹ گئے تھے۔ بہت سے خوف اور ہراس کی وجہ سے مغلوب ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر بھی بیڈلی مقابلہ پر ڈٹا ہوا تھا حالانکہ بمباری کی شدت سے اب اس کا تحلیلہ بگڑنے لگا تھا۔ اسی جنگ میں جاپانی ہوائی جہازوں نے خود کشی کرنے والے وئے بیڈلی پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے معلوم کتنے

یورپ کی بگڑی ہوئی حالت

۱۹۴۷ء میں جرمنی کے ہاتھوں یورپ کی جو حالت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ ہر طرف اور ہر محاذ پر جرمنی کی گمان چڑھی ہوئی تھی۔ اتحادیوں نے جس مقام پر بھی جرمنی کا مقابلہ کیا انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پے درپے فتوحات کے زعم میں جرمن خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے لگے تھے اور اتحادی شکست اٹھاتے اٹھاتے یہ سوچنے لگے تھے کہ جرمن انواع سے عمدہ برآ ہوتا بہت مشکل ہے۔ مگر اتحادیوں نے ابھی حوصلے نہیں ہارے تھے۔ اپنے سپاہیوں کی پیش قیمت جائیں قربان کر کے بھی وہ جرمنی کے مقابلہ سے نہیں ہٹے تھے۔ حالانکہ تازیوں نے انھیں اب تک کہیں بھی فتح سے ہکنا رہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پھر بھی وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح یورپ پر تازیوں کے تسلط کی دیوار میں شکاف ڈال دیں۔

کینیڈا کی رائٹ رجمنٹ اور اس کے ٹینکوں کا حملہ ولسو (Worms) اور سینٹ نزاثر وغیرہ پر اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ کینیڈا کی رائٹ آرمی میں کچھ امریکی بھی شامل تھے اور کچھ انگریز سپاہ بھی۔ اتحادیوں کی

زخمی ہوئے۔ جاپان کے بھی اس ہولناک جنگ میں پچیس ہوائی جہاز تباہ ہو گئے مگر انھوں نے امریکی بحریہ کو تنہا نہیں کر دیا۔ البتہ امریکی ٹرانسپورٹ بچ گیا۔ امریکہ تقریباً تمام نامور اور بڑے جہاز تباہ ہو گئے اور لاتعداد کارج موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اسی طرح جاپانیوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ الغرض تاریخ جدال و قتال میں انسانوں کی وہ شجاعت جس کا مظاہرہ جاپان نے اس جنگ میں کیا ہمیشہ یادگار رہے گا۔



USS Bunker Hill burns after being hit by two kamikazes within 30 seconds.

اس فوج نے ان سواحل پر حملہ کر کے اور فوجیں اتار کر نازیوں کو ہراساں
دلانے کی کوشش کی کہ اتحادی اگر کبھی اپنی مجموعی قوت سے نازیوں پر
حملہ کریں تو یورپ پر ان کا (نازیوں کا) تسلط ختم ہونا غیر ممکن نہیں
ہر چند اس کوشش میں اتحادیوں کو بڑی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ مگر
اجتماعی حملہ کی قیمت پر یہ سودا منگنا نہ ہوگا۔ ممکن ہے، انھیں اس ساعی
میں کوئی بڑی فتح فی الفور حاصل نہ ہو مگر نازی کم از کم یہ تو جان لیں
گے کہ اتحادی ان کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہیں اور یہ کہ نازی دنیا کی
افضل ترین نسل نہیں جیسا کہ وہ دھندلے اور اچھلے رہے ہیں اور اسی زعم
کی بنا پر یورپ کی دوسری اقوام پر ظلم و ستم ہے۔ نازی
مطمن تھے کہ یورپ میں ان کا کوئی مد مقابل نہیں۔ یہ ۱۹۴۲ء تک کی
پوزیشن تھی جبکہ ابھی جرمنی نے روس پر حملہ کرنے کی حالت کا ارتکاب
نہیں کیا تھا۔

ایس اگست ۱۹۴۲ء ماؤنٹ بیٹن نے، جو اس زمانہ میں فوجی
بیٹن امیر البحر تھا، سواحل پر فوجیں اتارنے کا پلان تیار کیا، جس میں
کینیڈا کی افواج کا جنرل میک نائش بھی شامل تھا۔ یہ جنرل اس وقت برطانیہ
میں مقیم تھا اور وہیں اس کا ریڈ کوارٹر بھی تھا۔ لینڈنگ کا پلان بظاہر
آسان نظر آتا تھا مگر عمل کی کسوٹی پر اس کے دشوار ہونے میں کوئی شک
نہ تھا۔ طے یہ پایا کہ پہلے ساحل پر کوڈرز اتریں گے تاکہ ڈیڑی میں ساحلوں
پر، جو نازیوں کا پتہ نہیں تھا، انھیں تباہ کر دیا جائے۔ فوجی فرانس

تیار یاں مکمل ہو گئیں تو تاریکی میں اتحادی حملہ آوروں نے مضبوطی
سے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔ پھر فوجی خاموشی سے ساحل پر اترنے کے
لیے کشتیوں میں سوار ہونے لگے اور توپچی تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ آخر ساحلوں
پر بم کے دھماکوں کی آواز آنے لگی۔ جس کا یہ مقصد تھا کہ امریکی ہوائی
جہازوں نے طے شدہ پلان کے مطابق بم برسائے شروع کر دیے۔
ساتھ ہی فوجیوں کی کشتیاں پانی کو چرتی ہوئی اور جھاگ اڑاتی
روانہ ہو گئیں۔ لیکن بد قسمتی سے اسی وقت کینیڈا کے فوجیوں کی کشتیوں
کے قریب سے نازیوں کے کٹوراے کا بھی گزرا ہوا۔ اس کٹوراے کی
مداخلت کے لیے چار مسلح جنگی جہاز بھی تھیں۔

نازیوں کے ان جنگی جہازوں نے کینیڈا کے کوڈرز کی کشتیوں کے
پر نیچے اڑا دیے۔ اس ناگہانی آفت کی کوئی شخص پیش بینی نہ کر سکتا
تھا۔ کوڈرز چلے تو تھے ساحل پر اترنے کے لیے مگر نازیوں نے ایک

ہوئے ان اونچے مورچوں پر بھی جا چڑھے۔ اس میں بہت سے مارے گئے تاہم انھوں نے نازیوں کو بھی کافی نقصان پہنچایا۔ دوسری جانب نازیوں نے اونچائی پر سے اتحادیوں کے ان جنگی جہازوں پر زبردست گولاباری شروع کر دی جو ساحل کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے ان میں تباہی مچا دی پھر بھی کینیڈا والوں نے ساحل پر کوہِ کران پر غلبہ ناک حملوں کا سلسلہ جاری رکھا وہ گولیوں اور توپوں سے کرتے جا رہے تھے مگر ان کے قدم اب تک نہیں ڈگمگائے تھے۔ اسی اثناء میں نازیوں کے ہوائی جہاز بھی آگے جن کا امیکی ہوائی جہازوں نے مقابلہ کیا۔ دونوں طرف کے کئی ہوائی جہاز چند ہی منٹ میں تباہ ہو کر زمین پر آ رہے۔

ساحلوں کے نشیب میں اور اونچائی پر ہر جگہ دونوں فوجوں کی شدید جھڑپیں ہوئیں۔ ان میں سے بعض جھڑپیں تو اتنی تیز تھیں کہ بندھن اور دستی بم بے کار ہو گئے۔ ان کی جگہ سنگین، آلات اور گھونٹے تک چلنے لگے۔ دونوں طرف کے سپاہی اور افسر زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے کا پیچھا نہ چھوڑ رہے تھے۔ اطراف میں بھی مرنے والوں کے ڈمیر لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر فوجوان اور سبیلے سپاہی تھے جن کے ماں باپ زندہ ہوں گے مگر ان کی اولاد کو جنگ مل گئی تھی۔ ہر لڑنے والے ہی خون تھا اور زخمی علیحدہ پڑے کر رہے تھے۔

نازیوں کے جنگی جہازوں نے اتحادیوں کے بحریہ کو کافی نقصان

ایک کر کے ان کی تمام کشتیاں ڈبو دیں اور جن فوجیوں نے کشتیوں میں سے کود کر جان بچائی چاہی انھیں بھی نازیوں نے گولیوں کا نشانہ بنا کر مع ان کے فوجی سامان و سامان کے سمندر کی تہ میں پہنچا دیا۔ صرف کموڈور کی ایک کشتی بچ سکی جس نے بڑی مشکل سے کنارہ پکڑا۔

ایک اور مصیبت یہ بھی ہوئی کہ توپوں کی اس کھن گرج کو سن کر نازیوں کے دوسرے دفاعی دستے چوکنے ہو گئے اور اتحادیوں کو ختم کرنے کے لیے ساحلوں پر نکل آئے۔ ادھر کینیڈا کے کموڈور کی باقی بچی ہوئی کشتی جس کے اندر کل تیس چالیس نفر تھے چار گھنٹے تک دوسو جرمنوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ ان کموڈور نے جرمنوں کو کافی نقصان پہنچا کر سپاہی اختیار کی کیونکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ایسے خطرناک لمحات پر یا تو سپاہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا دشمن کے گے ہتھیار ڈال دیتے ہیں مگر کینیڈا کے سپاہی اس قسم کے انسان نہ تھے وہ مارنا اور مرجانا جانتے تھے انھوں نے ہر جگہ ہوشیار ہو جائے والے جرمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حالانکہ دشمن کی شدید گولہ باری اور تھکان سے وہ پھر پھر ہو رہے تھے۔ جرمنوں نے اپنے دفاعی ساحلوں کے گرد کانٹے دار تاروں کے زبردست حصار بنا رکھے تھے لیکن کینیڈا کے جانناز فوجیوں نے کئی جگہ سے تار کاٹ ڈالے اور دشمن کی گولیوں سے گرتے پڑتے حصار میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح جرمنوں نے اونچائی پر بھی مورچے قائم کر رکھے تھے۔ کینیڈا کے فوجی پسینے اور خون میں نہاتے

جرم کے نازیوں کی مزید کمک آپہنچی، اس نے جان توڑ کر حملہ کر کے دوبارہ پہاڑی پر قبضہ کر لیا، مگر اب پہاڑی اہمیت زیادہ نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ایک تو اس کا حصار شکستہ ہو چکا تھا، دوسرے اتحادی ساحل پر دوزخ بڑھتے ہوئے پھیل چکے تھے، ہر طرف آگ برس رہی تھی۔ اب نازیوں کی فوج بھی سمٹ کر حملہ آوروں کو گھیرے میں لے لینے کی کوشش کر رہی تھی یہ بڑا نازک مرحلہ تھا لہذا کینیڈا کی رجمنٹ کو پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ اس کے اسی فیصدی سپاہی زندہ و سلامت واپس آ گئے۔ یہ بھی بڑی کامیابی تھی غرض اتحادیوں کے حملہ کی غایت بڑی حد تک پوری ہو گئی۔

چار گھنٹے تک اس جنگ کا سلسلہ جاری رہا اور ڈیپٹی کی طرف کینیڈا کی افواج کا زور برابر بڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس قصبہ کا حصار بھی کینیڈین نے توڑ ڈالا۔ کئی بار جرمن گولہ باری نے ان کے قدم اکھیر دیے مگر انھوں نے چرچل ٹینکوں کی مدد سے ایسا حملہ کیا کہ نازیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ گولہ باری کی شدت سے قصبہ کا کافی حصہ تباہ ہو گیا تھا۔ بے گھر و خیر و اور خندقوں میں نازیوں اور اتحادیوں کے فوجیوں کی لاشیں پڑی بکھری تھیں۔ اسی طرح لا تعداد زخمی خاک و خون میں لٹھے ہوئے تڑپ رہے تھے۔ انھیں اٹھانے کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ اتحادیوں نے نازیوں کا مواصلاتی نظام بھی توڑ پھوٹ ڈالا تھا۔ ان کے خیموں میں آگ لگا دی تھی اور ان کے تیل کے ذخیرے کو بھی نذرِ آتش کر دیا تھا۔ ہر ساں جرمن قیدی یہ مناظر اپنی آنکھوں

پہنچا یا تھا کیونکہ اتحادی اس خیال سے اپنے جہاز ساحلوں کے قریب لے گئے تھے کہ جرمن ابھی ہوشیار نہیں ہوں گے۔ لیکن اتفاقاً ایک جرمن کنواٹ کے گزرنے سے تمام ساحلوں کے محاذ جاگ اٹھے۔ کینیڈا والے قریب کی ایک پہاڑی پر جا چڑھے اور انھوں نے بہت سے لوہے کے تار کاٹ کر پھینک دیے۔ نازی اندازہ بھی نہ لگا سکتے تھے کہ اس طرف سے بھی حملہ ہو سکتا ہے لہذا اس اچانک حملہ نے انھیں ہراساں کر دیا۔ بہت سے نازی مارے گئے۔ ان کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ چند گرفتار بھی ہوئے اس کے علاوہ کافی تعداد میں اسلحہ بھی ہاتھ آیا۔ لیکن چند ہی منٹ میں جرمنوں کی کمک آ گئی۔ جس نے چھوٹی توپوں کا منہ کھول دیا۔ دوسری طرف سے بھی توپیں اور مشین گنیں چلنے لگیں۔ پھر تو ایسی شدید لڑائی ہوئی کہ پہاڑی آگ کی دیوار بن گئی۔ اتحادیوں نے کئی جگہ سے کانٹے دار تاروں کے حصار توڑ کر اندر داخل ہونے کا راستہ بنایا تھا مگر نازی ڈٹ کر اتحادیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس میں ان کے بہت سے آدمی کام آئے۔ فتح و شکست کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کیسی نازی اتحادیوں کو پیچھے دھکیل پتے کیسی اتحادی انھیں پسپا کر دیتے۔ آخر کینیڈا کی فوج نے ایک زبردست حملہ کیا اور تقریباً دو میل تک اندر داخل ہو گئی۔ مدافعت کی کوششیں اس جگہ بھی کافی جرمن کام آئے۔

پہاڑیوں پر یوں تو اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا تھا مگر زیادہ دیر

موت کا پل

ستمبر ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک نازیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ بے شک اس چار سال کی مدت میں یورپ کے اکثر محاذوں پر انھیں شدید نقصان اٹھا کر پیچھے بھی ہٹنا پڑا تھا مگر ابھی وہ شکست سے ڈور تھے۔ امریکہ جب تک اتحادیوں میں شامل نہ ہوا تھا اس وقت تو نازی براہرہر جگہ اور ہر مقام پر یورپ میں چھائے رہے مگر جب امریکہ بھی جنگ میں کود گیا تو اتحادیوں میں کافی جان پڑ گئی۔ دیکھیں اس کے بعد ہی جاپانیوں نے ایشیا میں امریکہ کی ایسی ٹانگ پکڑ لی کہ وہ یورپ میں اپنی طاقت کو مرکوز نہ کر سکا۔ اگر امریکہ جاپان پر ایٹم بم ڈگراتا تو بلاشبہ جنگ کا نقشہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں وہ نہ رہتا جو ۱۹۴۵ء میں ہو گیا تھا۔

نازیوں کی جنگی مشین کے چند پٹڑے یقیناً ڈھیلے پڑ گئے تھے مگر وہ اب تک کمزور نہیں پڑے تھے۔ اوائل مارچ ۱۹۴۵ء میں ریخے جن (Remagum) کا پل اتحادیوں کے قبضہ میں آ گیا تو نازیوں کے حوصلے ہست ہو گئے۔ اس پل کی تسخیر جب یورپ کے اعلیٰ کمان آئرن لاور

سے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہی اب تک غالب نہیں رہے تھے بلکہ ان پر بھی کوئی غالب آ سکتا ہے۔ اس مقام پر نازیوں کے سپر ایٹم کاغذات اور فوجی نقشے بھی اتحادیوں کے ہاتھ لگے۔ یہ سب بڑے کام کی چیزیں تھیں۔

حملوں میں سب سے زیادہ نقصان کینیڈا کی رائٹ رجمنٹ کو اٹھانا پڑا تھا اور اس نے بھی ہوا بانازیوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ بہر حال چار گھنٹے کی قیامت نیز جنگ کے بعد اتحادیوں کو واپسی کا حکم موصول ہوا کیونکہ وہ تمام ساحلوں کو جرمنوں سے خالی نہیں کر سکتے تھے اس کے علاوہ جرمنوں کی کمک برابر آنے چلی جا رہی تھی۔ اتحادیوں کے پاس تو زیادہ آدمی تھے اور نہ کثیر ساز و سامان۔ دو ہزار تین سو پچاس کینیڈین مارے جا چکے تھے یا زخمی ہو گئے تھے اور تقریباً پانچ ہزار لاپتہ تھے۔

اس حملہ کا اتحادیوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ انھوں نے نازیوں پر یہ ثابت کر دیا کہ یورپ کے محاذ پر اگر اتحادی ایک بڑی اور مجموعی توت کے ساتھ حملہ کریں تو نازی یورپ میں جم نہیں سکتے اور نہ ہر جگہ ان کا قبضہ رہ سکتا ہے۔ نازی بھی اسی انداز میں سوچنے پر مجبور ہوئے گئے تھے۔ مگر ابھی دہلی دور تھی۔ ایسی یا اس سے بھی شدید کمی جنگیں اور لڑنی تھیں۔

کے علم میں آئی تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اس پل کی تسخیر کا مقصد مگر ہونا کہ پہلی مثالیں اور اٹھتر دین ڈویژن نے نہایت احتیاط سے تیار کیے ہوئے پلان کے تحت اس پر حملہ کیا اور اس کے دو مضبوط ستونوں کو اڑا دیا۔ اس کے بعد پل کے حفاظت و ستون کو مشین گنوں اور دستی بول کے ذریعہ جھون کر رکھ دیا۔ بقیہ السیف محافظ نہایت اہتری کی حالت میں بھاگ نکلے۔ پھر بھی ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ پھر تو دریا کے آس پاس کی جڑن فوج جو خود کو اب تک ناقابل فتح سمجھتی رہی تھی بدحواس ہو کر اوجھڑ بھاگنے لگی اور اس نے دریائے رائین کے دوسرے پل اڑانے شروع کر دیے۔ لیکن اتحادیوں نے ایک دو بڑے پلوں پر قبضہ کر لیا۔

جب اس واقعہ کی اطلاع ہٹلر کو پہنچی تو وہ غضب ناک ہو گیا۔ اسی غیظ کے عالم میں اس نے چیف آف سٹاف فیلڈ مارشل وان رنٹ ٹیٹ کو طلب کیا اور اس کے بیان سے مطلق مطمئن نہیں ہوا۔ وہ باور نہ کر سکتا کہ دریائے رائین کے پل پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ منہ سے بے تاب ہو کر اس نے فیلڈ مارشل کے سینے پر لگے ہوئے فوجی اعزازات نوچ پھینکے۔ اس کے ساتھ ہی پانچ ان فوجی افسروں کو پھانسی کا حکم دے دیا جن کا براہ راست تعلق پلوں کی حفاظت سے تھا۔ ایک صدی قبل جب پولین نے دریائے رائین پر حملہ کیا تھا۔

اس وقت سے ۱۹۴۵ء تک اس پر کسی طاقت نے تاخت نہیں کیا تھا۔ اس طرح رائین کی تسخیر نے گویا جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ مگر نازی اس علاقہ کو تمام تر خالی کر کے ابھی نہیں بھاگے تھے بلکہ انھوں نے پیچھے ہٹ کر مضبوط مورچے قائم کر لیے تھے۔ ان مورچوں سے انھوں نے امریکی فوجوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ ادھر اتحادی بھی بدل نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی فوجیں جمع کیں اور سات مارچ کو صبح ہونے سے پہلے بارودی سرنگوں میں پھنتے پھنتے پل سے ذرا آگے نکل آئے۔ مگر جرمن اب غافل نہ رہے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ اتحادی پل سے آگے بڑھ کر رہیں گے لہذا انھوں نے اپنے ہتیم کے آلات حرب سے اونچائی پر سے اتحادیوں پر آگ برساتی شروع کی۔ پل سے اتحادیوں کا آگے نکلنا بجائے خود ایک جان لیوا کارنامہ تھا۔ کیونکہ یہ مقام نازیوں کا گرد تھا۔ بہر حال فوج موت کے اس پل سے گزرتی رہی اور ضائع ہوتی رہی اور بچ جانے والے سپاہی اور افسر آگے بڑھتے رہے۔ اتحادیوں کا آج تک ایسے شدید معرکے سابقہ نہ تھا۔ کیونکہ ان پر چاروں طرف سے گولا باری ہو رہی تھی۔ ادھر نازیوں کی لفٹ وٹ (فضائیہ) کو حکم ملا کہ کسی بھی قیمت پر پلوں کو تباہ کر دے۔ لہذا جرمن فضائیہ نے اندھا دھند بم برساتے شروع کر دیے۔ دوسری طرف اتحادیوں کی توپوں کے بھی منہ کھل گئے۔ اس طرح پوری فضا قیامت کا غونہ بن گئی۔ نازیوں کے بم ایسے نشانوں پر گر رہے تھے کہ اتحادیوں

کے بھی بے شمار آدمی مارے گئے۔ مکئی کی قسمت کا اب تک فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ تین دن تک اسی طرح دونوں فریق جنگ میں الجھے رہے اس دوران میں گولہ باری کی وجہ سے مچل بہت کمزور ہو گیا تھا جس کی مرمت کے لیے اتحادیوں کے انجینئرز دن رات دن کام کرتے رہے۔ آخر سترہ مارچ کو یہ موت کا پل ایک ایسا ہی گر گیا اور اپنے ساتھ اتحادیوں کے کئی انجینئرز کو بھی دیرپاے رائین کے برفیلے پانی میں لے ڈوبا۔ اس طرح ریے جن کے پل کا ختم ٹوٹ کر رہا جس نے سینکڑوں اور ہزاروں جانیں لے لی تھیں۔ اتحادیوں کی متحدہ قوت نے پل کی جنگ میں بڑی دلیری کا ثبوت دیا تھا جو نازیوں کو بھی ہمیشہ یاد رہنے والی تھی اور اتحادیوں کو بھی کیونکہ اس میں طرفین نے نئے نئے حربے اور چالیں استعمال کی تھیں مگر سپاہی کا سب سے بڑا حربہ شجاعت اور دلیری ہے جو طرفین میں پانی گئی۔



**American forces cross the
Ludendorff Bridge at Remagen
Date 7-25 March 1945**

کو پل سے مزید آگے بڑھنا دشوار ہو گیا مگر وہ صبر کر گرتے رہے اور بڑھتے رہے۔ ایک عجیب سماں تھا، ہر طرف لاش پر لاش گر رہی تھی آخر جرمن فضا بیڑے پل اڑانے کے لیے غوطہ خورانا رو دیے۔ ان غوطہ خوروں کے پاس جھک سے اڑ جانے والا انتہائی تیز راکہ تھا وہ ہیکسجن کی تھیلیوں کی مدد سے ایک گھنٹہ تک پانی کے نیچے رہ سکتے تھے، مگر اتحادیوں کی سرچ لائٹ نے انھیں دیکھ لیا اور ان پر گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ اس میں بہت سے مارے گئے۔ کئی ڈوب گئے اور جو باقی بچے وہ یکڑ لیے گئے۔

لیکن پل کی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ نازیوں نے خم کر پھر پل پر حملہ کیا کیونکہ قیود ہر دھڑلے کا حکم تھا کہ ہر قیمت پر پل کو اڑا دیا جائے ادھر اتحادی اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جانیں چلی جائیں مگر پل کو اڑانے نہیں دیا جائے گا کیونکہ جرمنی کی طاقت اس پل کو عبور کر کے ہی توڑی جاسکتی تھی۔ غرض دو گھنٹے تک پل کے لیے سخت لڑائی ہوئی رہی جس میں دونوں طرف سے کشتیوں کے پٹتے لگ گئے بلکہ پورا دن اسی طرح گزر گیا۔

اتحادیوں کے میجر تھرسٹن نے اس پل پر تقریباً تیس حملے کیے تھے سماں تک کہ اس کی بنائیں تھک گئی اور اس کی جگہ دوسری بنالین کو لگانا پڑا۔ پھر بنگ تیز ہو گئی شام تک تقریباً سونائزوں کو قیدی بنایا گیا اور کافی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اسی طرح اتحادیوں

بھی گنتی ہو۔

ہر سال ۱۹۴۵ء میں روہر کے جوہولٹاک واقعات پیش آئے وہ اپنی ایک علیحدہ تاریخ ہیں۔ اس جنگ کا پلان اتحادی ۱۹۴۲ء ہی میں بنا چکے تھے جس پر تین سال بعد یعنی ۱۹۴۵ء میں عمل درآمد کیا گیا۔ اس سے قبل شمالی افریقہ، اٹلی اور فرانس کی لڑائیاں جو اتحادیوں نے فوری تھیں وہ ۱۹۴۵ء میں ہونے والی اس ختم اور فیصلہ کن جنگ کا ایک تہہ تھیں۔ روہر آج کی طرح اس وقت بھی یورپ کا صنعتی مرکز تھا۔ خاص طور پر یہ جرمنی کا تو دل ہی تھا لہذا جرمنی کو فتح کرنا تھا تو اس کے اس صنعتی قلب پر کاری ضرب لگانے کی ضرورت تھی۔ ۱۹۴۲ء میں جب برطانیہ نازیوں کے لفٹ وٹ (فضائیہ) کے بموں سے لرز رہا تھا تب بھی نازی سطوت کو تباہ کر ڈالنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے اور امریکی و برطانوی لیڈر اس فیصلہ پر متفق ہو گئے تھے کہ یورپ کی دستکاری اور جرمنی کی شکست صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی جنگی مشین اور صنعتی علاقوں کو توڑ دیا جائے۔ آخر ۱۹۴۳ء میں کا سا بلانٹ کا قرض میں اس منصوبہ میں رنگ بھر لیا گیا اور اسے آگے بڑھانے کو پرجل اور روز دیٹ نے طے کیا کہ نیم لیفٹیننٹ جنرل سرفریڈرک مورگن کے سپر وکی جائے جو برطانیہ کی افواج کا اعلیٰ کمانڈر تھا۔

روہر دنیا میں شاید سب سے بڑا صنعتی علاقہ ہے اور دیرپائے

دنیا کی سب سے بڑی جنگ

۱۹۴۵ء تک یورپ کی جنگ اتحادیوں کے حق میں کافی سمٹ چکی تھی اور نازی ریسٹ (Resistance) کی قسمت ڈگمگانے لگی تھی۔ اس سال روہر (Ruhr) پر جو جنگ ہوئی اس کا شمار دنیا کی سب سے بڑی لڑائی میں ہوتا ہے۔ اس طوفانی جنگ میں اتحادیوں نے پانچ لاکھ سے زیادہ فوج بھونک دی تھی اور اتنی تعداد نازیوں کی بھی تھی۔ لاکھوں اور کروڑوں نژاد انسانان حرب علیحدہ تھا۔ غور کرنے کی بات یہ کہ دس لاکھ انسانان ایک دوسرے کو کچا چھاؤنے کے لیے یورپ کے ایک مختصر رقبہ میں جمع ہو گئے تھے تاکہ شقاوت اور بے دردی کے جوہولٹاک مناظر پیش کر کے دنیا سے انسانیت اور تہذیب کا نام و نشان مٹا ڈالیں۔ ممکن ہے جنگجو جرموں اور اتحادیوں نے اس جنگ کو محض کھیل سمجھا ہوا یا انسانی خون کو فقط ایک تماشا سمجھ کر بہا ہوا ہو مگر مذہب انسان کے لیے یہ بڑا عبرت انگیز معرکہ نہیں تھا۔ لیکن اس کا کیا علاج کر دیا میں امن قائم کرنے کے لیے اکثر بڑی لڑائیاں لڑی گئی ہیں۔ ہر جدید لڑائیاں بظاہر عارضی امن لے آتی ہیں مگر وہ امن شاید ہی کبھی دیرپا ثابت ہوا ہو گا جس کی دنیا و جنگ پر

تھیں جن کی کمان فیلڈ مارشل موڈل کے سپر وٹھی۔ اس عظیم فوج کے مقابلہ کے لیے جنرل آئزن ہارن نے صرف ڈویژنوں ہی کو نہیں بلکہ پوری فوج کو لاکھڑا کیا۔ شمال کی طرف پڑی ہوئی فوج کو حکم دیا کہ وہ دریائے رائین پار کرے۔ جنوب سے دوسری فوج کو بڑھنا تھا اور مشرق سے تیسری کو۔ اس طرح جرمنی کی افواج کے گرد ایک آہنی حصار ڈالنا مقصود تھا۔ امریکی جنرل ہیرو کی فوج دریائے رائین کے مغربی کنارے پر مامور تھی تاکہ نازی جوابی حملہ نہ کر سکیں۔

الفرض پچیس مارچ کی سرد صبح کو حملہ کا آغاز ہوا۔ حملہ کیا ہوا گیا۔ آگئی۔ توپوں، گولوں اور بموں سے زمین لرزنے لگی اور دریائے رائین کا پانی بل ٹھہارے لگا۔ توپ خانے اور ٹینکوں کے تمام ڈویژن آگے بڑھ گئے۔ نازیوں کا جنرل موڈل باوجود بہت سی آسانیاں حاصل ہونے کے ان سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ بلکہ وہ ایک سخت غلطی کر بیٹھا۔ اسے یہ مفالط ہوا کہ رائین کے شمال والی امریکن فوج پہلے پیش قدمی کرے گی اس نے اپنی فوج کا رخ بھی اس طرف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادی آسانی سے مشرق کی طرف سے بڑھ آئے۔ یہی ان کا مدعا بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہٹلر نے بھی ایک بہت بڑا دھوکہ کھایا۔ اس نے جو اپنی افواج کو اتحادیوں میں گھرا ہوا پایا تو ان کو موت کی دھمکی دے کر سختی کے ساتھ پیچھے ہٹنے سے منع کر دیا۔ اس کا بھی خیارہ نازی فیلڈ مارشل موڈل کو جھکنا پڑا۔ اس نے اپنی منتشر فوج کو شمالی ہی

رائین کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ساٹھ مربع میل ہو گا۔ یہ نازیوں کی ملکیت میں تھا اس کے جنوب میں دریا بنے سیگ ہے اور شمال میں دریائے لیمپ۔ یہاں بھاری اور کثیر المقاصد صنعتوں کی عظیم الشان فیکٹریاں بھی تھیں۔ اس کو اگر زبردست بیماری کے ذریعہ کمزور کر دیا جاتا تو ناممکن تھا کہ نازی جنگ کا سلسلہ جاری رکھنے میں کامیاب ہوتے۔ پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر تھی کہ ہوائی حملے اس صنعت کو کمزور تو کر سکتے تھے مگر اسے نیست و نابود نہ کر سکتے۔ تاہم جنرل مورگن ٹارنڈی میں اتحادیوں کی فوجیں اتارنے کے بعد سے مسلسل رد ہر فوج کرنے کے منصوبے باندھتا رہا کہ اگر وہ ہر قبضہ میں آگیا تو پھر برلن تک پہنچ جانا آسان ہو جائے گا۔ یہ تھا اتحادیوں کا جنگی پلان۔ آخر جو پچیس مارچ ۱۹۴۵ء کو امریکن افواج دریائے رائین کے مغربی کنارے تک آگئیں اور جنرل آئزن ہارن جنرل مورگن کے دیرینہ منصوبہ پر عمل درآمد کی تیاری کرنے لگا۔ یعنی رد ہر کے اہم علاقہ کو فتح کرنے کی سوچنے لگا۔ کینیڈین اور برطانوی سپاہ جنرل ٹنگری کی کمان میں رد ہر کے جنوب آ موجود دو تھیں۔ جنرل پیٹن نے امریکی فوج کی کمان سنبھالی تاکہ پیش قدمی کرنے میں کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو۔ پھر اس نے لڈین ڈلڈ کے پل کو صحیح وسلامت اپنے قبضہ میں لے لیا تاکہ فوجیں آسانی سے پل کو عبور کر سکیں۔ ادھر جرمنی کی اتحادیوں کی خطرناک نقل و حرکت سے غافل نہ تھا۔ رد ہر میں اس کی اکیس ڈویژن اور تین لاکھ پچیس ہزار فوجیں موجود

کی ایک پیش زد گئی۔ اس کو عیش میں وہ زیادہ سے زیادہ مارے گئے۔ بہر حال چودہ اپریل تک بقیہ جرم فوج یاس کے عالم میں لوٹنے کے لیے ودھوں میں تقسیم ہونے پر مجبور ہو گئی۔ عین اسی حالت میں ہٹلر کا حکم آیا کہ کسی طرح اتحادیوں کا علاقہ توڑ کر نکل جاؤ۔ لیکن اب یہ نازی جنرلوں کے بس میں نہ رہا تھا۔ وہ اس حکم کو نظر انداز کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ اتحادیوں نے روہر کے کارخانوں، ٹیکسٹریلوں اور اسلحہ ساز مشینوں میں انسان کا خون بہانے والے عجیب و غریب آلات دیکھے۔ مگر روہر کی تفسیر کے بعد ناقابل فتح نازیوں کا پر وہ فاش ہو چکا تھا اور ان کی جہانبا فی کا طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب و غریب اور اس کے ساتھ ہی نہایت بھیا ناک واقعہ ہے کہ نازی، جن کے منہ انسانی خون لگ چکا تھا، اب اپنے ہی خون میں نہا رہے تھے۔

روہر کے صنعتی علاقہ میں مقصورہ ملکوں سے پکڑے ہوئے سینکڑوں قیدی کام کر رہے تھے مثلاً فرانسیسی، ڈچ، بلجیئم، اٹالین، چیکو سلوواکیہ، پولینڈ اور بہت سے روسی بھی۔ ان سب کو رہا کیا گیا اور انہیں نازیوں کی غلامی سے آزاد دی دلائی گئی۔ اتنے ملکوں کے ان قیدیوں کو دیکھ کر فوراً جاہلیت کے جنگی قیدی یا دانے لگے۔ جن کے ساتھ نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ بے شمار قیدی ان قیدیوں کے علاوہ تھے جن کو نازیوں نے قتل کر دیا تھا ان سب کی لاشیں اکٹھی کر کے ان کو گورھوں میں دفن کر دیا گیا تھا

میں پڑا رہتے دیا جو اس کا اصل محاذ تھا۔ حالانکہ اسے لازم تھا کہ بہت جلد یہاں سے اپنی فوج کا کچھ حصہ ہٹا کر اہم مورچوں کی طرف لے جاتا۔ بہر حال اتحادی مشرق کی طرف سے جرمینوں کی دفاعی لائن تک آگئے اور ان پر ٹوٹ پڑے پھر دریائے رین کا ساحل انھوں نے عبور کر کے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔

اب اتحادیوں کی فوج ہر طرف سے بڑھ کر جرمینوں کی پھیلی ہوئی سپاہ کا سلسلہ منقطع کرنے لگی اور یہ خیالی صحنہ تھا کہ نازیوں کی فوجوں کا آپس میں رابطہ نہ رہا تو انھیں تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ آخر اتحادیوں کی چند رزرو کی کوشش سے نازیوں کی فوجیں ایک دوسرے سے کٹنے لگیں اور ان کا صفایا ہونا شروع ہو گیا۔ دو دن تک لڑتے لڑتے اور برابر پیش قدمی جاری رکھنے کے بعد اتحادیوں کی فوجیں اب جلد جلد آگے بڑھنے لگی تھیں۔ تیسرے روز نشانہ بازی کے لیے وہ ٹینکوں کے بھی قریب آگئیں اور اتحادیوں کا شمالی چنگل جنوبی چنگل سے زیادہ دور نہ رہا۔ آخر حکم اپریل کو اتحادیوں کے یزبر دست چبھے آپس میں مل گئے اور انھوں نے درمیان میں پھٹنے ہوئے نازیوں کو کچل ڈالا۔

نازیوں کی کافی بڑی فوج ان فولادی بیچوں کے درمیان آگئی تھی، یعنی انیس ڈویژن۔ ایک لاکھ دوسری فوج اس پر مستزاد تھی، تقریباً تین لاکھ مجموعی سپاہ تھی۔ ان میں پوہلر، جرنی اور ایک امیر البحر بھی شامل تھا۔ جرمینوں نے اس چنگل سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کی، مگر ان

اب ہونا مری علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں ہو جانے کی وجہ سے پھنس گئے تھے اتحادی ان کا صفایا بڑی بے رحمی سے کرنے لگے۔ ادھر نازیوں کی یہ گھری ہوئی ٹکڑیاں اتحادیوں کے حصار کو توڑ ڈالنے کی انتہائی کوشش کر رہی تھیں تاکہ انھیں ہتھیار نہ ڈالنا پڑے، مگر ان کے لیے شکست مقدر ہو چکی تھی۔ نازیوں کے فیلڈ مارشل موڈل نے پھنسی ہوئی سپاہ کو اجازت دے دی تھی کہ جس طرح ممکن ہو اتحادیوں کے گھیرے کو توڑ کر نکل جائیں۔ اس سے فیلڈ مارشل کا مقصد ہتھیار ڈالنے کی ذمہ داری سے بچنا تھا۔ اس کے بعد اس نے خودکشی کر لی۔

اٹھارہ اپریل کی صبح کو اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ روہر کا عظیم الشان علاقہ فتح ہو گیا اور بے شمار جرمن قیدی پکڑے گئے۔ فیلڈ مارشل موڈل خودکشی کر کے گرفتار ہونے کی ذلت سے بچ گیا۔ اس طرح اس پر سے ہٹلر کا عتاب بھی ٹل گیا۔ اس عظیم فتح کو دنیا نے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی کیونکہ اس کا دھبہ ان اس موقع پر روسی اور اتحادی فوجوں کے باہمی انفصال کی طرف چلا گیا تھا۔ دوسری طرف ہٹلر کی خودکشی سے آزاد دنیا خوشیاں منانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ یہ دونوں اہم واقعات جنگ سے تنگ آئی ہوئی دنیا کے لیے اہم ترین تھے۔ حالانکہ اگر وہر کا صنعتی علاقہ فتح نہ ہوتا تو نازیوں کی شکست ناممکن تھی۔ کیونکہ اسلحہ ساز فیکٹریوں اور کارخانوں کی تباہی کے بعد وہ پتپ نہ سکے تھے۔ آج کی لڑائیوں میں بھی یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے بلکہ ان میں ایک

افسوس ناک اضافہ یہ کر لیا گیا ہے کہ بے گناہ شہریوں پر ناکہ دھند گولا باری کر کے انھیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال روہر کی لڑائی کے واقعات جو کچھ بھی تھے اور جس طرح بھی وہ لڑی گئی اس کا تعلق دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ سے ضرور ہے جس کے بعد صبح امن کے آثار رافق پر نمایاں ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کے بعد دنیا میں سیاسی کشمکش کا جو دور دورہ ہوا وہ بھی ایک علیحدہ جنگ تھی جنگ خواہ وہ عالمگیر یا نہ ہو یا کسی علاقہ تک محدود ہو اپنے خاتمہ کے بعد امن کمزور اضطراری کیفیت زیادہ پیدا کر دیتی ہے۔

روہر کی لڑائی کے اس کامیاب نتیجے نے اتحادیوں کو فتح و کامیابی سے سرشار کر دیا اور وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ جنگ عظیم ختم کرنے کے لیے ابھی کئی ہفتے خواں باقی تھے۔ بہر حال انھوں نے ہر جہت پر آئرن باؤر پر چھوڑ دی۔ برطانیہ نے اس جنگ میں چونکہ نقصان عظیم اٹھایا تھا اس لیے اس نے آئرن باؤر سے درخواست کی کہ روہر سے گزر کر اب برلن اور اس کے آس پاس کے علاقہ پر حملہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر آئرن باؤر جلد جلد چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کرتے ہیں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا تاکہ امریکی فوج کی جانیں بچی رہیں۔ حالانکہ آئرن باؤر اگر برطانیہ کے مشورہ پر عمل کر لیتا تو امریکی افواج جلد ہی برلن کو فتح کر لیتیں۔ اس کے علاوہ چیکو سلوواکیہ اور مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک جو اب کمیونسٹوں کے قبضہ میں ہیں امریکہ کے تصرف میں آجاتے

مگر اس نے دوسری لڑائیوں کے سیاسی نتائج نظر انداز کر دیے۔
بہر حال جو کچھ ہوا اس سے جنگ کی تاریخ کے ایک نئے باب کی ابتدا
ہو گئی، دوسری جنگ کا پہلا عنوان تھا — تازیوں کی تباہی اور
اتحادیوں کی کامیابی صرف دوسرے کے علاقہ کی تسخیر کی رہیں منت ہے
بہلہ کو بھی یقیناً اس کا اندازہ تھا اور اس کے بعد ہی وہ نوشتہ بردار
دیکھنے لگا تھا۔



**Allied leaders Joseph Stalin,
Franklin D. Roosevelt
meet at the Tehran
conference-1943**

روسی جنگ کے ہوش بُبا واقعات

یورپ، افریقہ اور ایشیا میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران جو
ہولناک واقعات پیش آئے وہ اپنے الم انگیز نتائج کی وجہ سے انسانی
تباہی کے صفحات تاریخ پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ ایسے ہی دروانگیز
واقعات روس اور جرمنی کی جنگ میں بھی پیش آئے۔ اسے ملک گیری
کی ہوس کیے یا سیاسی حکمت عملی یا شامت اعمال کی جرمنی نے روس
پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ اس طرح اس نے ایک نئی ڈرامہ شروع کر دیا تھا
روس پر جرمنی کا حملہ یورپ کی جنگ ہی کا ایک باب ہے اسے کوئی غلط
چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ مگر جس طرح شروع میں تنہا برطانیہ یا فرانس کو
جرمنی سے لڑنا پڑا تھا اور اس کی خطرناک طاقت کے مقابلہ میں ہر جگہ
شکست کھانی پڑی تھی، یہاں تک کہ امریکہ بھی میدان جنگ میں کود
پڑا، اس طرح ایک اتحادی محاذ قائم ہو گیا تھا، بالکل اسی طرح روس کو
بھی جرمنی کے جدید سامان حرب اور نئی فوجی چالوں کے آگے شروع میں
پے درپے پسپائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر اسٹالن نے گھبرا
کر چرچل اور روز ویلٹ سے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ جلد ہی ایک

بہلی قوتوں کا جنازہ نکلتا دیکھ کر اس قدر ہڑپڑا ہوا گیا تھا کہ اپنے
 بڑے سے بڑے مشیر تک کی بے عزتی کر کے رکھ دیتا۔ اسی بنا پر اس
 کے اُمرا اور رفقاء میں ایک بددلی پیدا ہو گئی اور وہ اندر ہی اندر اس
 کے بدخواہ ہو گئے اسی بددلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک روز وہ ان کی سازش
 سے ہلاک ہونے سے بال بال بچا۔

ہوا یہ کہ ہٹلر مع اپنے مشیروں کے کمرہ مشاورت میں بیٹھا تھا۔
 جس میں ایک پیش بہا گول اور بہت بڑی آبنوسی میز رکھی تھی۔ ہٹلر اور
 اس کے مشیر گردا گرد بیٹھے ہوئے جنگ کی بدلی ہوئی صورت حال پر صلح
 و مشورہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ہٹلر کا ایک مشیر خاص کمرے میں داخل
 ہوا اس کے ساتھ ایک معزز آدمی بھی تھا جس سے حاضرین میں سے کوئی
 واقف نہ تھا۔ اس آدمی کے ہاتھ میں چوڑے کا ایک قیمتی اور خوبصورت
 بیگ تھا جیسا کہ حکومت کے بڑے لوگوں کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ہٹلر کے
 مشیر خاص نے اس آدمی کا ہٹلر سے تعارف کر لیا جس کے بعد ہٹلر نے
 اس سے بیٹھنے کو کہا۔

کسی بڑے آدمی کی میز پر اپنی چیزیں رکھنا آداب و تہذیب کے
 خلاف ہے اس لیے اس آدمی نے اپنا چرمی بیگ آبنوسی میز کے نیچے
 اس کے ایک پائے کے ٹکا کر رکھ دیا۔ پھر باتیں ہونے لگیں ہٹلر چونکہ
 ایک اہم کانفرنس کر رہا تھا اس آدمی نے زیادہ مغل ہونا مناسب نہ
 سمجھا اور اجازت کا طالب ہو کر کمرے سے چلا گیا۔ حاضرین صلح

نیا محاذ کھول دیں تاکہ جرمنی اسلحہ کا بے پناہ و باڈروس پر سے کچھ کم
 ہو جائے۔

سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ برطانیہ کی طرح روس کے پاس بھی پورے
 ہتھیار تک نہ تھے۔ بہ مشکل وہ اپنے حلیف امریکہ سے کچھ ٹینک اور
 دوسرے اسلحہ لینے میں کامیاب ہو سکا مگر روس کے پاس ایک توئی
 اثر قدرتی ہتھیار بھی تھا۔ جس کے آگے ڈیڑھ صدی قبل فاتح عالم
 نیپولین بھی ٹھہرنے کا خفا وہ ہتھیار روس کا موسم سرما تھا۔ اس کے
 علاوہ مدافعت کنندگان کی بہت اعلیٰ بھی بڑے کام آتی جو راحت
 پسندوں کو ہمیشہ کامیابی نہیں ہوتی۔ چنانچہ جرمنی کو بھی روس کے
 محاذ پر عجیب و غریب نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ سردی کے زمانہ
 میں اس کی فوجوں کو روسی محاذ پر سے پسپا ہونا پڑتا اور گرمی کے
 موسم میں وہ پھر زور لگا کر آگے بڑھ جاتیں۔ یہاں تک کہ اس سالن گراڈ
 تک جا پہنچیں جہاں انھوں نے تباہی مچادی لیکن اس سالن گراڈ والوں
 نے ان کے دانت کھٹے کر دیے۔ اسی طرح ماسکو کی مدافعت میں بھی
 روسی ایسی جان توڑ کر لڑے کہ نازیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آخر
 وہ وقت بھی آ گیا کہ نازیوں کو روس میں ہر جگہ شکست کا سامنا کرنا
 پڑا اور ۱۹۴۵ء تک انھیں ماسکو فتح کرنے کے بجائے اپنے عظیم
 دارا سلطنت برلن کے بچانے کے بھی لالے پڑ گئے۔

اب نازیوں پر بُرا وقت آ گیا تھا۔ ہٹلر اپنے بلند بانگ دعووں اور

مشورے میں عموماً اس لیے کوئی یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ آدمی اپنا چرمی بیگ یہیں بھول کر یا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ابھی اس کو کمرے سے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میز کے نیچے ایک بلاک دھماکا ہوا۔ دھماکا اس قدر طاقت ور تھا کہ اتنی بڑی آبنوسی میز فرش سے اڑ کر چھت سے جا لگی۔ اس سے چھت میں ایک بڑا سوراخ پیدا ہو گیا۔ میز کے پر نیچے اڑ گئے اور چرمی بیگ کے قریب بیٹھے ہوئے لوگ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ خود ہٹلر کے اوپر چھت کا ملبہ آگرا۔ میز کے بعض ٹکڑے اس کے جسم سے بھی ٹکرائے جس کی وجہ سے وہ شدید زخمی ہو گیا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا۔ بہر حال ہٹلر مرنے سے بال بال بچ گیا۔ اس کے بعد اس نے کئی آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جن میں سے بیشتر بے قصور تھے، ان کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہٹلر کے چند بااثر رفقاء اسے ختم کر کے جرمنی میں ایک نئی حکومت بنانا چاہتے تھے جن کا اولین کام یہ ہوتا کہ ایک طرف تو امریکہ سے صلح کر لی جاتی دوسری جانب برطانیہ سے تاکہ ان کے مذاؤں پر الجھی ہوئی جرمن فوجوں کو وہاں سے ہٹا کر روس کی برلن کی جانب ہونے والی پیش قدمی کو نہ صرف روک دیا جاتا بلکہ روسیوں کو جرمنی سے بالکل نکال دیا جاتا۔ لہذا اس کے متعلق امریکہ و برطانیہ سے الگ الگ سلسلہ جہانی شروع ہو گئی تھی اور ہٹلر کے مخالفین اینڈ ڈیلز کے خفیہ محکمہ کی معرفت امریکہ سے بات چیت کر رہے تھے اور ایک سوڈن بینک کے ذریعہ برطانیہ کے

سہراہ چرچل سے۔ متذکرہ بالا ہم کا واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا مگر ہٹلر کے حادثہ سے بچ گیا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ اس کے مخالفین پیدا ہو چکے ہیں جو کسی وقت بھی اس کی جان کے خواہاں ہو سکتے ہیں۔ البتہ اس بات سے اسے قدرے اطمینان تھا کہ بالٹک کیوں کے مقابلہ میں اگر امریکہ اور برطانیہ سے معاہدہ ہو جائے گا تو اچھا رہے گا۔ ثابت ہوتا ہے کہ نازیوں کی افواج کے دم خم اب ٹپک چکے تھے۔ ادھر امریکہ اور برطانیہ بھی اس فکر میں تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو اتحادی روسیوں سے پہلے برلن یا اس کے فوج میں جا پہنچیں اور فوجی برتری کے ذریعہ اپنا اثر و تسلط حاصل کر لیں، دوسری جانب روسی نیزل بھی جلد از جلد جرمنی کی سرزمین میں پہنچ کر وہاں اپنا قبضہ جمالینا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے دریائے والگا پر لڑنے والی افواج کا رخ برلن کی جانب کر دیا تھا۔ غرض نازی طاقت میں جھول پڑتے ہی امریکہ، برطانیہ اور روس کی منزل مقصود برلن ہو گیا تھا۔ روس نے شمالی محاذ پر اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کر دی تھیں آخر وہ ایک روز دریائے لائیکا کا تنگ جگہ کرتی ہوئی جا پہنچیں، مارشل زکوف فوجوں کے معائنہ کو آیا اور اس نے حملہ کا حکم دے دیا۔ دریائے لائیکا کا کنارہ جرمنی کی پہلی دفاعی لائن تھی۔ یہاں روسیوں اور جرمنوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں فینک اور ہوائی جہاز بھی آزادی سے استعمال کیے گئے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے پر آگ برساتی رہیں۔

میگ نیوز کا طلسمی پل

میگ نیوز کے پل پر قبضہ کرنے کے لیے روسیوں کو نازیوں سے سخت جنگ کرنی پڑی۔ کیونکہ اس پل کو پار کر لینے پر ہی روسی افواج کی پیش قدمی کا دار و مدار تھا۔ یہ پل نازیوں نے کچھ اس قسم کا بنایا تھا کہ بیچ سے اس کے دو ٹکڑے بھی ہو جاتے۔ پھر انھیں باہم جوڑ بھی دیا جاتا۔ اس طرح اس پر سے گزر کر اسے پار کرنا مشکل بھی تھا اور آسان بھی۔ اس جگہ نازیوں کی خاصی بڑی فوج متعین تھی۔ اس کے ساتھ ہی ٹینکوں کے دو ڈویژن اور دو ڈویژن ان فیلڈری بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایک پنزر ڈویژن بھی تھا جس کے برعکس روسیوں کے پاس مغربی ساحل کی جانب ٹینک کا صرف ایک بریگیڈ اور صرف تین ڈیمینٹین تھے۔ مغرض نازیوں نے اس پل کے علاقہ سے روسیوں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے بڑی تیاری کر رکھی تھی۔ روسیوں کے پاس پل کو عبور کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ انھوں نے دیبا کی ایک جانب سے ایک عارضی پل بنانے کی کوشش بھی کی مگر وہ کامیاب نہ رہی کیونکہ جرمنوں کے ہوائی جہاز روسیوں کے سروں پر مسلسل پرواز کر رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے کہیں یا سچ بچے شام تک روسیوں نے ایک عارضی پل بنالیا تاکہ اس پر سے فوج اور

روسی فوج میں وہ تجربہ کار جنرل اور سپاہی بھی شامل تھے جو اسٹالن گراڈ اور دریاٹے والنگا کے اہم محاذوں پر لڑ چکے تھے۔ انھوں نے نازیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ صبح سے شام تک کی جنگ میں طرفین کے سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ آخر نازیوں کی پہلی دفاعی لائن ٹوٹ گئی اور روسی فوجیں بغیر کر کے آگے بڑھ گئیں۔ اس لڑائی میں نازیوں کے جو جنگی قیدی پکڑے گئے ان سے معلوم ہوا کہ انھیں روس کے اس حملہ کی توقع نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ان کا یہ خیال تھا کہ روسی فوج اس طرف معمولی سا دباؤ ڈالے گی مگر وہاں معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ یہ بات بھی نازیوں میں پھیلی ہوئی بددلی پر دلالت کرتی ہے۔ بہر حال نازیوں نے تازہ دم فوج جمع کی اور روسیوں پر جوابی حملہ کیا۔ یہ اس قدر شدید لڑائی تھی کہ تمام رات جاری رہی۔ آدمیوں اور ٹینکوں کا صفایا ہو گیا۔ آخر دو کا صبح تک دس کلومیٹر تک آگے بڑھ گئے۔



Hitler's last public appearance

جرمنوں نے پے درپے چھ حملے کیے جن میں دو طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے مگر وہ ان چھ حملوں کے باوجود روسی دفاعی لائن کو توڑ سکے۔ آخر انھوں نے بڑی شدت سے ساتواں حملہ کیا اور اپنے ٹینک عین روسی فوج کے سر پر لے آئے۔ اب تو یہ حالت تھی کہ خودکشی کے طور پر سپاہی دستی گولے ہاتھوں میں لے کر ٹینکوں کے نیچے رکھ دیتے۔ اور ان کے ساتھ خود بھی اڑ جاتے تھے۔ اسی اثنا میں روسیوں کو پھر تھوڑی سی کمک مل گئی۔ الغرض شام تک بیسیوں ٹینکوں کا صفایا ہو گیا جن میں نازیوں کے ٹینکوں کی تعداد زیادہ بتائی گئی ہے۔ اب نازیوں کی فضا نیدرے کار ہونے لگی تھی کیونکہ زمین پر سے طیارہ شکن توپوں نے انھیں نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان توپوں کو بھی جرمن فضا بیہ نے نیچی پرواز کر کے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ بہر حال دس اگست کی صبح تک روسیوں نے دو اور پل اڑا دیے۔ مجبوراً نازیوں کو اس علاقہ میں ہر جگہ اپنا جوابی حملہ روک دینا پڑا۔ نقصان دونوں طرف کا ہو رہا تھا اور فائدہ کسی کو نہ پہنچ رہا تھا۔ البتہ نازیوں کے رک جانے سے روسیوں نے فائدہ اٹھایا اور میگ نیڈز کے طلسمی پل پر قبضہ کر لیا۔

یہ روسیوں کی پہلی بڑی پیش قدمی تھی جس کے بعد وہ دشمن کے علاقہ میں پھیلنے لگے اور روسی انجینیئروں نے گولیوں اور بموں کی بارش میں مرگہ کر راستہ بنالیا تاکہ فوج مغربی کنارے تک مع اپنے سازو سامان کے پہنچ سکے۔ یہ بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے روسیوں کے لیے

سامان گزرسکے، لیکن یہ پل مشکل دو گھنٹے ہی قائم رہا۔ نازیوں کے ہوائی جہازوں نے اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ پولینڈ والوں کی توپوں نے جرمنوں کے ہوائی جہازوں پر مسلسل گولے پھینکے مگر انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا اس کے ساتھ ہی نازیوں کے جوابی حملہ نے بھی شدت اختیار کر لی۔ دریا کے ایک ساحل سے جرمنی کا پنزر ڈویژن حملہ کر رہا تھا، دوسرے گوشے سے دوسرا ڈویژن اور درمیان کے علاقہ میں سترواں ڈویژن موجود تھا۔ اس طرح روسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال ان کی کچھ کمک آ گئی اور شام تک دوسری جہتیں پل کے سرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں۔ روسی فوج کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ہر قیمت پر آگے بڑھتی ہے چھپے بٹھنے میں اس کے لیے تباہی ہے۔ اس مقام پر ٹینکوں کی ایک زبردست لڑائی ہوئی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ بہت اہم محاذ تھا اور یہاں سے جو فوجی دستہ پسپا ہوگا پھر سنبھل نہ سکے گا۔ فولاڈ کی فولاو سے مکر تھی دونوں طرف سے بہت سے ٹینک تباہ ہوئے اور ان کے مکرہوں کی وجہ سے زمین کے بے شمار فوجی پس پس کر قریہ ہو گئے۔ مرنے والوں کی تعداد کافی تھی۔ ٹینک شکن توپوں کے منہ کھلے ہوئے تھے جن کے گولوں سے فولاوی ٹینک خشک مکرہ کی طرح جلنے لگتے تھے۔ ٹینکوں کے قبرناک گولے جس چیز پر لگتے اس کے مکرے اڑا دیتے تھے۔ ٹینکوں اور توپوں کی چنگاڑ سے کیچے دہنے لگتے تھے۔ قیامت کا منظر تھا انسانوں کے جسم مکرے ہو کر ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔

عام حملہ کی تیاری

روسی فوج کے دباؤ اور یلغار سے ہٹکر کے ڈھنڈورچی اسب اس
اعتراف پر مجبور ہو گئے تھے کہ مشرق میں جو علاقے ان کے ہاتھ سے نکل
گئے تھے ان کے ناموں کا اعلان کر دیں۔ مگر روسیوں کو ابھی آگے بڑھنے
کی جلدی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے جن جن مقامات پر قبضہ
کیا تھا انھیں مضبوط بنانا تھا۔ بشرکین تعمیر کرنی تھیں ہزاروں ٹینک اور
ایندھن فراہم کرنا تھا اور لاکھوں چھوٹی توپیں گولے اور بم اکٹھے کرنے
تھے۔ اس کے علاوہ کروڑوں کارتوس دینا کرنے تھے۔ ان سب باتوں کے
لیے ایک رقم خطیر اور وقت کی ضرورت تھی اور اس وقفہ سے فائدہ اٹھا کر
بشرکین فوجوں نے جو اپنی کارروائی کر دی تو اس سے بھی نمٹنا تھا۔ اس
خطرے کے پیش نظر دشمن کی عقبی لائن کے قریب کچھ فوج اتارنا ضروری
تھا جس کا یہ کام ہوتا کہ شب و روز دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے۔
نپولین نے جب روس پر حملہ کیا تھا تو برازیل سے ماسکو تک پہنچنے میں
اس کے آٹھ ہفتے لگے تھے جو بڑی تیز رفتاری تھی اور جیب نپولین کی فوجیں
پہنچا ہوئی تھیں تو اپنے اصل مقام تک پہنچنے میں ان کے پانچ ہفتے صرف

مزید پیش قدمی کی راہیں کھل گئی تھیں۔ پھر روسیوں کے قبضہ میں دو
پہلی اور آگے جن سے گزرا کروہ نازیروں کے علاقہ میں زیادہ آگے تک
بڑھ گئے۔ قدم قدم پر انھیں خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ پھر بھی روسیوں
کے قدم جرمن علاقہ میں جتے رہے اور نازیروں کی تدبیریں الٹی ہوتی
رہیں۔

روسیوں کی اس کامیاب پیش قدمی سے یورپ کی اس جنگ پر
کافی اثر پڑا۔ یہاں تک کہ نازیروں کے اخبار میٹیشن زونگ کو اپنی آٹھ جولائی
۱۹۴۴ء میں لکھنا پڑا کہ روسیوں کی پیش قدمی شہرناک صورت اختیار کر
رہی ہے۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ امریکہ اور برطانیہ جیسے سرمایہ دارانہ نظام
والے ملک اس جنگ میں بالمشوکیوں کے ہاتھ مضبوط کر کے روسیوں
کو مشرقی یورپ پر مسلط ہونے کا موقع دے رہے ہیں۔ روسی انٹرویو
کے لیے بڑا خطرناک ثابت ہو گا۔

اس بات کو امریکہ اور برطانیہ بھی محسوس کر رہے تھے مگر جنگ کی حالت
میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سیاسی جوڑ توڑ سے کام لیا جاتا۔
نازیروں نے جس چیز کی ابتدائی تھی اس کی انتہا اب کچھ زیادہ دور نہ تھی۔

ہوئے تھے۔ مگر ٹھہر کر فوجوں کو میسر سے والگا تک پہنچنے میں دو موسم گرما کی مدت درکار ہوئی اور جب انھیں پسپا کیا گیا تو نصف مدت میں پیچھے ہٹ آئیں جس کے برعکس روسی فوجوں کی پیش قدمی بہت تیز رہی وہ چوبیس گھنٹے میں پندرہ سے بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی تھیں۔

اسی وجہ سے نازی حواس باختہ سے ہو گئے تھے۔ مگر اب روسیوں نے اپنی پیش قدمی سست کر دی تھی اور ۱۹۴۵ء کے اوائل تک تو ان کی پیش قدمی برائے نام ہی رہ گئی یہ سب کچھ روسی ہائی کمان کے قبیلہ کے مطابق ہو رہا تھا جس کی جو کچھ بھی وجہ تھی، اس کو روسیوں نے سب سے پوشیدہ رکھا لیکن ان کی نظر برابر نازیوں کی نقل و حرکت پر لگی رہی جن کا یہ روزانہ کا وسیلہ تھا کہ نصف شب کو اپنی پچھلی دفاعی لائن کے آدمیوں کو آگے لے آتے اور اگلی لائن کی سپاہ کو پیچھے کر دیتے تاکہ اگلی لائن والوں کو آرام کرنے کا کچھ وقفہ مل جائے۔ صبح ہوتے ہوتے پوزیشن واپس بدل دی جاتی۔

نازیوں کی اس نقل و حرکت سے روسیوں نے فائدہ اٹھایا اور ایک روز جب نازیوں کی ٹھکی ہوئی اگلی دفاعی فوج رات کو اپنی پوزیشن بدل رہی تھی تو روسیوں نے ایک تیز حملہ کر دیا۔ مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوا کیونکہ نازیوں نے بڑی سرعت سے اپنی اگلی صف میں کمک بھیج دی۔

غرض شب و روز یہی ہوتا رہتا۔ دونوں طرف کے آدمی مارے جاتے اور روسی تھوڑا سا آگے بڑھ جاتے۔ مشرقی محاذ کے یہ حالات تھے، ادھر مغربی محاذ پر روسیوں کے اتحادی یعنی امریکہ اور برطانیہ

لڑتے بھڑتے دریائے رائن تک جا پہنچے تھے اور ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اب نازیوں میں جان باقی نہیں رہی۔ لیکن یکا یک سولہ دسمبر ۱۹۴۴ء کو انھوں نے ایک بڑا حملہ کر کے اتحادیوں کی صفوں میں شگاف ڈال دیا اور مرتے گرتے مغرب کی جانب پیش قدمی کرنے لگے۔

نیم برگ میں جب نازیوں کے چوٹی کے افسروں پر مقدمہ چلایا گیا تو گورنگ نے انکشاف کیا تھا کہ پوری جنگ کا پلان ان ذاتی اتانتا خود ہٹلر ہی نے بنایا تھا۔ اس نے پوشیدہ طور پر پلان کے مطابق یہ طے کیا تھا کہ وہ اگلے محاذ کو کھینچا ہوا اہم ترین مقامات تک بڑھ جائے گا۔ پھر انیٹ ورپ پر جو برطانیہ کی سپلائی لائن کا اہم مرکز تھا، قبضہ کر کے اتحادیوں کے رسل و رسائل کا سلسلہ کھاٹ دے گا اس کے بعد سمندر کی جانب اتحادیوں کی بھی ہوئی افواج کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس مہم کے لیے اس نے فیلڈ مارشل وان رنٹھٹ کا انتخاب کیا تھا اور اس میں تین ہزار ہوائی جہاز، ایک ہزار ٹینک اور تین لاکھ فوج کو حصہ لینا تھا۔ اتحادی نازیوں کے ایسے کسی بڑے حملہ کی توقع نہ کر رہے تھے کیونکہ ایک تو موسم بہت خراب تھا۔ دوسرے حملہ کی مہرین نامناسب واقع ہوئی تھی اور ادھر کچھ دنوں سے نازیوں کے بڑھنے کی رفتار بھی بہت سست ہو گئی تھی مگر ایک روز یک بار گلی انھوں نے شدید حملہ کر کے ایسی پیش قدمی کی کہ وہ متر کلومیٹر تک بڑھ آئے۔ اسی پیش قدمی سے گھبرا کر چرچرل نے چھ جنوری ۱۹۴۵ء کو اسٹالن کو ایک

خط لکھا جس کا متن یہ تھا۔

”مغربی محاذ کی حالت بڑی خراب ہو گئی ہے اس لیے بہت جلد اعلیٰ کمان کو فیصلہ کرنا ہے کہ اتنے طویل محاذ کا کیا انصرام کیا جائے۔ آپ کا اپنا تجربہ بھی ہوگا کہ ایسے اہم مواقع پر جتنے جلد ضروری اقدامات کیے جائیں بہتر ہیں۔ اس لیے جنرل آئزن ہاؤ کی خواہش ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس نازک مسئلہ پر آپ کا خیال اور تجویز معلوم کروں کہ آیا اس محاذ یا کسی دوسرے محاذ پر آپ کی مدد کی توقع کر سکتے ہیں۔ آپ کے جواب کو آہستہ آہستہ راز میں رکھا جائے گا اور سولے جنرل آئزن ہاؤ کے اس کا کسی سے ذکر نہیں کیا جائے گا“ رچرچل کا نام مخفی رکھا گیا تھا

اس خط کو پڑھنے کے بعد روسیوں کو اپنا وہ مصیبت کا زمانہ یاد آگیا جب کہ ۱۹۴۱ء میں نازی حملہ آوروں نے روسی سرزمین کو روند کر رکھ دیا تھا مگر اس وقت رچرچل اور آئزن ہاؤ نے دم نہ ہارنا تھا اور نازیوں کے ہاتھوں ان کی درگت کا تماشہ دیکھتے رہے تھے۔ اب جبکہ برطانیہ اور امریکہ پر وقت آچرا تو وہ ڈھٹائی سے روس کی امداد طلب کر رہے تھے۔ بہر حال اسٹالن نے دوسرے ہی روز یعنی سات جنوری کو اتحادیوں کو اس خط کا جواب روانہ کر دیا۔ جس کا کٹ لیب پر فضا کر روسی افواج اپنے اتحادیوں کی یعنی امریکہ اور برطانیہ کی مدد

کر سکتی ہیں اور سچولا کے وسیع اور مرکزی محاذ پر وسط جنوری تک وہ ایک نوردار حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں

چنانچہ اسٹالن نے اپنا وعدہ ایسا کیا اور باوجود خراب موسم ہونے کے دس ہزار بند توپوں کی ٹالیوں کا رخ جرمنوں کی دفاعی لائن کی جانب کیا کر دیا۔ اسی طرح سینکڑوں ٹینکوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ اب خدا موسم بہتر ہونے کا انتظار تھا اور دشمن کی خندقوں تک راستے کو بارودی سرنگوں سے صاف کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔ صبح تک یہ کام پائے تکمیل تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد ایک بارگ توپوں کے منہ کھول دیئے گئے کہ حکم دے دیا گیا جس سے زمین لرز اٹھی۔ بس اب روسی فوج کو آگے کی طرف قدم اٹھانا تھا۔ دشمن کے مورچوں تک پہنچنا پھر اس کا صفایا کرنا بڑا جان جو حکم کا کام ہوتا ہے، اس میں پوری قوت اور مهارت صرف کرنی پڑتی ہے۔ بہر حال جنوری کی چودہ تاریخ کے حملے میں فوجی ساز و سامان اور سپاہ کے باب میں روسیوں کو بالادستی حاصل تھی۔ ہر سپاہی مرنے اور مارنے کو تیار تھا۔ لیکن فتح حاصل کرنے کے لیے تنہا فوجی برتری ہی کافی نہیں ہوتی، اس کے لیے طریقہ جنگ اور مهارت کی زیادہ ضرورت ہے جس میں دایم تزویر اور دشمن کو دھوکا دینا بھی شامل ہے۔ لہذا آٹھ بجے تک جب کہ فرما کہ سوئی تو روسی توپیں اور ٹینک آگ برساتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور کافی کشت و خون کے بعد انھوں نے نازیوں کے اگلے مورچوں کا صفایا کر دیا۔ جس کے تھوڑی ہی دیر

بعد اس کے پچھلے مورچے بھی روس والوں کے قبضہ میں آ گئے لیکن ابھی اس مورچہ پر روسیوں کا پورا قبضہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ جرمن ایک تنازعہ فوج اور ٹینک لے آئے اس فوج کے اثر کو زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا یعنی اس پر ہوائی حملہ کیا جائے مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ جرمنوں نے آتے ہی روسیوں کے دائیں بازو پر اتنا شدید باؤ ڈالا کہ وہ ان کے دونوں مورچوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ الٹے یعنی کے دینے پڑ گئے اور یہ نظر آنے لگا کہ روسیوں کی اب تک کی کامیابی خاک میں ملنے والی ہے مگر رات آگئی اور تاریکی کی وجہ سے لڑائی مدہم پڑ گئی۔

روسیوں نے راتوں رات اپنی پھنسی ہوئی فوج کو نکال لیا اور صبح ہونے سے پہلے پھر جرمنوں پر توپوں اور ٹینکوں سے حملہ کر دیا۔ اس سے نازیوں کو اپنے تیسرے مورچے سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور وہ ریلوے لائن کی طرف پسپا ہونے لگے۔ ریلوے اسٹیشن تک پہنچ کر انھوں نے اس سے مورچہ کا کام لیا اور روسیوں پر توپوں کا منہ کھول دیا۔ جس سے بہت سے فوجی کام آ گئے۔ اور روسیوں کی پیش قدمی بظاہر رک گئی۔ مگر روسیوں نے جلد ہی پوزیشن بدل کر ٹینکوں اور چھوٹی توپوں سے پھر شدید حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی تقریباً چار گھنٹے تک جاری رہی۔ جس میں بہت سے فوجی کام آئے۔ بہنوکار روسیوں نے ریلوے لائن پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح روسیوں کی یہ پیش قدمی مکمل ہو گئی۔

سترہ جنوری ۱۹۴۵ء کی شام کو روسیوں نے نازیوں کی مواصلاتی لائن کا رخ کیا۔ اس تک پہنچنا آسان کام نہ تھا مگر وہ لڑتے بھڑتے پہنچ ہی گئے۔ ایک بڑی شرک وارسا سے برلن تک جاتی تھی جس کو جرمن فوجی نقل و حرکت کے لیے شروع سے استعمال کر رہے تھے۔ اس شرک پر قبضہ کے بعد روسی فوج کو اپنی نقل و حرکت میں بڑی آسانی پیدا ہو گئی اور وہ کہیں ہلکی اور کہیں شدید جھڑپیں کرتے ہوئے چھوٹے اور بڑے قصبات تک جا پہنچے۔ اس سلسلے کی ایک بڑی جھڑپ میں روسی نامور جنرل وین ریب شدید زخمی ہو گیا۔ اس نے شالنگرڈ کی جنگ میں بڑے کارنامے دکھائے تھے اور والٹا کی جنگ کا ہیرو بھی یہی تھا۔ اس کے زخمی ہو جانے کا تمام افسروں کو رنج ہوا تھا۔ بہر حال زخم کاری نہ تھا اس لیے جانبر ہو گیا۔



Soviet artillery fires on Berlin in April, 1945.

تعداد کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ پندرہ اپریل ۱۹۴۵ء تک روسی اور نازی
فوج درج ذیل اعداد و شمار تک پہنچ گئی۔

روس	جرمنی
ڈویژن ۱۹۳	۸۵
فٹری ۲۵۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰
چھوٹی بڑی توپیں ۴۱۰۰۰	۱۰۰۰۰
ٹینک اور کلار توپیں ۶۲۵۰	۱۵۰۰
ہوائی جہاز ۷۵۰۰	۳۳۰۰

ان فوجی اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے روسی ساز و سامان اور فوج
کا پتہ بہت بھاری ہو گیا تھا اور اس کا اتنی کثیر تعداد کے ساتھ برلن کی
طرف بڑھنا یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا تھا۔

روسیوں کے بیان کے مطابق انھوں نے نازی ڈویژن نمبر تین سو
تین کے ایک افسر کو گرفتار کیا جس نے بتایا کہ جرمنی دو تین ہفتہ میں
غیر ہو جائے گا۔ اس میں سے ایک ہفتہ برلن تک پہنچنے میں لگ جائے
گا کیونکہ برلن نازیوں کا نہایت مضبوط گڑھ ہے اسے فتح کرنے کے
لیے آٹھ دس روز کی مدت ہوگی۔ پس اس کے بعد شہر کا خاتمہ ہے۔

بہر حال اب نازیوں کے حملے رُکے ہوئے تھے اس میں یہ فوجی مصلحت
بھی شامل تھی کہ روسی حملے کے خوف و ہراس میں مبتلا رہیں اور ان کا مورل
کمزور نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ ایک دن جرمن ان پر اچانک حملہ کر کے ان کی

برلن کی طرف

اب ایک سمت سے امریکہ و برطانیہ، دوسری طرف سے روسی
فوجیں جرمنی کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں مگر ابھی منزل مقصود دور
تھی۔ نازی ایک ایک ایجن زمین کے لیے سخت مزاحمت کر رہے تھے اور
اتحادیوں کے سپر بھی ایک دو مقامات پر اکھٹے تھے۔ مگر جرمنی چونکہ ہر
سمت سے گھیر چکا تھا اس لیے اس کے ہوائی حملے زیادہ کامیاب نہ رہے
نازی امریکہ اور برطانیہ کو تو گوارا کرتے مگر روسیوں کو وہ مطلقاً پسند
نہ کرتے تھے سامی لیے اب زیادہ گراں گزری روسیوں کے محاذ ہی پر ہو گئی
تھی جو مرتے کھٹے آہستہ آہستہ جرمنی کی سر زمین میں بڑھتے چلے آ رہے
تھے۔ کبھی ان کی پیش قدمی زیادہ تیز ہو جاتی، کبھی آہستہ اور گامے رک
بھی جاتی تھی لیکن وہ سبھی کہ بچہ قدم بڑھانے لگتے۔ مختصراً سارے
اتحادیوں کا رخ برلن کی طرف تھا۔ جرمنوں کو مزاحمت کے سلسلہ میں
کافی جانی نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا اور اتحادی بھی محفوظ نہ تھے، ان
بھی پیش قدمی کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑ رہی تھی۔

آخر مشرقی محاذ پر لڑتے لڑتے روسیوں کے مقابلہ میں نازیوں کی

مذکورہ میں اتریں چھا دیں۔ اسی لیے نازیوں نے شب و روز کی کوشش سے برلن کے دفاع کا سامان کیا مگر یہ صورت حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ اتحادی یعنی امریکہ، برطانیہ اور روس برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے اور ان سب کا رخ برلن کی ہی طرف تھا۔ اسی سبب سے نازیوں کو اپنی دفاعی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اتحادیوں کی پیش قدمی روکنے میں بھی جان اور وقت صرف کرنا پڑ رہا تھا۔

اسی دوران مارشل زکوف روسی فوجوں کے معائنہ کے لیے آیا اور فوجیوں نے تو یہی پرچم ہاتھ میں لے کر عہد کیا کہ مہر جاشیں گے مگر قدم چپچپے نہیں ہٹائیں گے اس کے بعد روس کی فوج آگے بڑھی تو روسی فوجوں کے ہتھیاروں کے ایک مورچہ پر حملہ کیا اور خاصی خونریزی کے بعد اس کو توڑ کر آگے نکل گئے۔ اب گویا لڑائی رات دن کا معمول ہو چکی تھی کبھی بڑے حملے ہوتے تھے اور گاہے جھڑپیں ہوتے گتیتیں۔ ہر گونہ میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ اکیس اپریل تک روسی فوجیں برلن کا جنوبی سوا دان کے سامنے تھا اور شہر کے قریب جا پہنچیں۔ برلن کا جنوبی سوا دان کے سامنے تھا اور چند نوٹ برلن میں داخل بھی ہو گئے تھے جس کے بعد سڑکوں پر چھوٹی موٹی لڑائیاں ہونے لگیں مگر برلن کا قلب ابھی کافی دور تھا اس تک پہنچنے کے لیے بہت سی جانشین قربان کرنا تھیں اور یوکرین رجمنٹ کو جنوب مشرق سے ہٹا کر آگے بڑھانا تھا۔ اس سے برلن کی تسخیر زیادہ دشوار رہی۔ ۱۸۱۳ء میں جب روسی پولینڈ کی پٹی کبھی فوج کا نقاب کر رہے

تھے تو انھوں نے برلن پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہٹلر کی قضایت پر روس کو برلن پر قبضہ کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ بہر حال اپریل ۱۹۴۵ء کے اختتام تک روسی افواج برلن جا پہنچیں مگر اسے فتح کرنا پڑا دشوار کام تھا کیونکہ ہٹلر کسی شہر کا نام نہ تھا بلکہ ایک زبردست دفاعی اور مضبوط قلعہ تھا۔ اس کی لاتعداد دھرماتوں میں روسیوں پر آگ برسا رہی تھیں اس کی سنگین عمارتیں ایک سو تیرہ زیر زمین ریلوے اسٹیشن اور سیول فولادی تعمیرات نازیت کی زبردست پناہ گاہیں تھیں۔ ہٹلر کی امپریل چانسلری ایک فولادی قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ نتیجے میں برلن کی دیواروں تک روسی فوجوں کے پہنچنے کے وقت شاید ہی اس علاقہ کی کوئی عمارت صحیح و سلامت رہ گئی ہوگی کیونکہ

برطانیہ اور امریکہ نے ہم برسا کر اسے پھیلنے کی ڈالاکھا۔ غرض پچیس اپریل ۱۹۴۵ء کو روسیوں نے برلن کی باقاعدہ جنگ شروع کر دی اور صبح پانچ بجے تمام ساز و سامان کے بڑھ آئے۔ اس کے بعد ایک بارگی توپوں کا گرج سے زمین ہلنے لگی۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں ریت کی دیوار طرح بٹھنے لگیں اور شہر میں جیسے بھونچال آگیا۔ تمام رات دونوں

ملک زندہ و سلامت ہے۔ پرواتھ دوم مئی ۱۹۴۵ء تک ہے۔ اس سے چند روز پہلے گنوبل اور بورمین نے مل کر انتہائی کوشش کی تھی کہ اتحادیوں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے۔ اس میں ہٹلر کا مشورہ بھی شامل تھا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ بالٹکویکوں کو جرمنی کی سرزمین سے کسی نہ کسی طرح نکال کر باہر کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ہٹلر کی موت سے چند روز پہلے اس کے ساتھیوں نے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ایک معاہدہ کا مسودہ تیار کیا تھا۔ مگر وہ بے کار تھا کیونکہ اس پر اتحادیوں کے اگر تیسرے ساتھی یعنی روسیوں کے دستخط نہ ہوتے تو اس کی کوئی قیمت نہ تھی۔

بہر حال برلن کی تسخیر کے دو فزق تھے۔ ایک امریکہ اور برطانیہ، دوسرے روس۔ روسی ہائی کمان نے پچیس اپریل کو حکم جاری کیا تھا کہ نازیوں کی شدید مزاحمت کے باوجود برلن کو فتح کرنے کے لیے جو پیش قدمی کی گئی ہے اس کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے، اس میں مطلق تعلق پیدا نہ ہو۔ چنانچہ روسیوں کے آٹھویں آرمی گارڈ نے مزید بینکوں اور توپوں سے برلن کی اینٹ سے اینٹ بجانی شروع کر دی۔ کسی شہر میں داخل ہونے کے بعد مسلسل حملہ جاری رکھنا دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ شہر کیس اور عمارتیں جنگی ساز و سامان کی نقل و حرکت میں مانع ہو جاتی ہیں، اس کے علاوہ یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کسی عمارت یا ترخانوں میں دشمن چھپا نہ بیٹھا ہو اور موقع پاتے ہی حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ برلن میں بھی

اس تباہی کے ہنگام ہٹلر کی یہ کوشش مسلسل جاری رہی کہ چرچل اور ٹرومین سے ایک سمجھوتہ ہو جائے جس کے تحت برطانیہ، امریکہ اور جرمنی تینوں مل کر بالٹکویکوں کو جرمنی کی سرزمین سے نکال دیں۔ یہ صرف قیاس نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔

برسمل تذکرہ ہٹلر کی موت کے معنی پر چند سطور لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کیونکہ اب تک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ہٹلر نے خودکشی کی تھی اور اس کی لاش منوں پٹرول پمپ کرنے کے بعد اس کے ڈرائیو نے جلادی تھی۔ روسی اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ برلن کے بعد سب سے پہلے ہٹلر کی چانسلری میں داخل ہوئے تھے اس بنا پر وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہٹلر اور اس کی محبوبہ ایوا براؤن نے ایک ساتھ خودکشی کی تھی اور ہٹلر کی لاش ایک قالین میں لپیٹی ہوئی اتر نائیس گھنٹے تک جلتی رہی تھی۔ خود روسیوں نے ہٹلر کی لاش کا خاکستہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہٹلر کے شوق کھیکا کا کہنا ہے کہ اس نے ہٹلر کی وصیت کے مطابق اس کی لاش پر سینکڑوں ٹن پٹرول پمپ کر کر آگ لگائی تھی۔ اس کا یہ بیان تو درست ہے مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ بورمن ایک ٹینک کے نیچے چھپ گیا تھا۔ ممکن ہے کہ بعد میں بورمن نے پلا شہر سے فرار کے ذریعہ اپنا حلیہ بدل ڈالا ہو اور اب وہ کسی جعلی نام سے یورپ میں چھپا ہوا ہو۔

مگر اس واقعہ کو آج پچیس سال گزر گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بورمن اب

یہی ہوا۔ روسی شہر میں بڑھنے لگے تو گلی کوچوں اور عمارتوں کے اندر چھپے ہوئے تازیوں نے ان پر آگ برسانی شروع کر دی۔ اس سے بڑھتی ہوئی فوج کے بہت سے آدمی کام آگئے۔ ایک عورت اپنی تھپی سی بجی کو گود میں اٹھا کر جان بچانے کے لیے بھاگ رہی تھی مگر اندھا دھند گولیوں کی بارش سے کون بچ سکتا تھا۔ کسی سپاہی کی گولی اس عورت کے لگ گئی اور وہ گر پڑی مگر اس نے اپنی بچی کو جسم کے نیچے چھپا لیا تاکہ اس کے گولی نہ لگ جائے۔ آخر دوسری گولی نے اس عورت کا کام تمام کر دیا۔

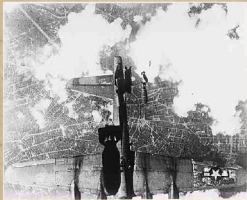
روسی فوج کی شدید آتش باری کے سبب سے تازیوں کو دیواروں اور بلڈنگوں کی اوٹ لے کر فائرنگ کرنی پڑ رہی تھی اس سے ایک تو ان کے نشانے خطا جا رہے تھے۔ دوسرے اوٹ کی وجہ سے روسیوں کی طرح مسلسل فائرنگ نہ ہو سکتی تھی۔ پھر بھی ان کی وہ فوجیں جو دوسری طرف سے سڑکوں پر آگئی تھیں روسیوں سے شدید تیرجوا بی حملہ کرتی رہیں۔ اس حملے میں ٹینک اور توپیں بھی شامل تھیں۔ نازی، جو عمارتوں کے اندر یا عقب سے فائرنگ کر رہے تھے، اب بڑی ترکیب سے لڑنے لگی تھیں۔ فائرنگ کرتے کرتے وہ دفعۃً رک جاتے۔ جیسے روس والوں کی گولیوں سے سب کے سب مر گئے ہوں۔ مگر اب روسی جب آگے بڑھتے تو وہ اچانک شدید گولاباری شروع کر دیتے اس سے بہت سی روسی سپاہ کا صفایا ہو جاتا۔ بہر حال نازی ایک

ایک اچے پر سخت مزاحمت کرتے رہے۔ اس سے روسیوں کی پیش قدمی بہت سست پڑ گئی۔

لڑتے لڑتے روسی سپاہ برلن کے ایک ایسے مقام تک جا پہنچی جہاں وہ براہ راست گولیوں کا نشانہ بن رہی تھی کیونکہ نازی ملیوں اور گڑھوں کے اندر سے فائرنگ کر رہے تھے۔ ایسے حالات سے نمٹنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ آخر روسیوں کو آتش بار مشینوں سے کام لینا پڑا جن کے شعلے دور دور تک پہنچتے تھے۔ اس آتش باری سے نازی مجلس گئے اور جو زندہ بچے انھیں منتشر ہوتا پڑا۔

بشکریہ روسی ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک بہت ہلکی سی توپ ایجاد کی تھی جس کو با آسانی کندھے پر رکھ کر لے جایا جاسکتا لیکن یہ ہلکی ٹینک شکن توپ کا آدھا ثبات نہ ہو سکی اور روسی ٹینک بدستور بڑھتے رہے۔ دفعۃً روسیوں نے دیکھا کہ چار سو لڑکے اسکول کے لباس میں چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ تھی مگر وہ سب ٹینک شکن توپیں اٹھائے روسی فائرنگ لائن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ روسی سپاہی انھیں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور افسر بھی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ کیا ان معصوم بچوں کو مار ڈالا جائے؟ آخر طے یہ پایا کہ ان پر فائرنگ نہ کی جائے بلکہ کسی طرح ان سے ٹینک شکن توپیں چھین لی جائیں۔ مگر مشکل یہ آ پڑی کہ لڑکوں نے روسیوں کے قریب پہنچ کر اپنے کا ندھوں پر رکھی ہوئی ٹینک شکن

سے برلن کی طرف پیش قدمی کی تھی اس وقت سے ہٹلر نے اس شہر کی حفاظت کی خاطر ایک بہت خواں بنا ڈالا تھا۔ جگہ جگہ دام تزویر، قدم قدم پر پوشیدہ خندقیں اور تہ خانے جن کے اندر چھپ کر نازی بڑھنے والے دشمنوں کا صفایا کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ انھیں بھاری ٹینکوں سے بھی روند دیا جاتا۔ غرض برلن کو لینا آسان کام نہ تھا۔ اور چانسری تک پہنچنا تو موت کے منہ میں جانا تھا۔



**US Air Force over Berlin,
19 May 1944**

تو پس چلائی شروع کر دیں جن سے روسیوں کا نقصان ہونے لگا۔ آخر کار ان پر فائرنگ کرنی پڑی۔ اگلی صفت کے ساتھیوں کو گرتا دیکھ کر باقی لڑکے بھاگ نکلے اور سب کے سب مرنے سے بچ گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکوں کو مرنے کے لیے کس نے بھیجا تھا؟ یہ ان کی ماؤں کی کاروائی تو نہ ہو سکتی تھی۔ بظاہر تو کسی دیوانے کی حرکت ہو سکتی ہے۔

آخر روسی فوجیں اس مقام تک آ گئیں جہاں سے امپیریل چانسری کا فاصلہ چار سو میٹر سے زیادہ نہ ہو گا۔ یہی چانسری ہٹلر کی پناہ گاہ تھی جس کی حفاظت کے لیے ایس ایس ڈوٹرن نامور تھا۔ یہ ڈوٹرن ہٹلر کا جان نثار تھا۔ روسیوں نے سوچا کہ چانسری کے قرب و جوار میں اگر کسی ایک عمارت پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تو انھیں قدم جانے کو جگہ مل جائے گی اور وہ بے اور شکستہ دیواروں کی آڑ لیتے ہوئے چانسری تک جا پہنچیں گے لیکن روسی ہائی کمان کا حکم آیا کہ چانسری کی طرف چھپنے میں شکست نہ کی جائے اور ایک بارگی زیادہ آدمی اس کی جانب پیش قدمی نہ کریں بلکہ تھوڑے تھوڑے جایشیں کیونکہ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ چانسری کے محافظ ڈوٹرن کی اصل تعداد کتنی تھی اور وہ مدافعت کا کیا طریقہ اختیار کرنے والے ہیں؟ اس کے علاوہ راہ میں ایک نہر بھی حاصل تھی جس کا پل کچھ عجیب و غریب سادہ واقع ہوا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس پل تک پہنچنے کی کوشش کرنا گویا موت کو مدعو دینا تھا کیونکہ اتحادیوں نے جب

سپراندازی اور برلن کا سقوط

مئی کی پہلی تاریخ کو روسی ریڈ گارڈز کو حکم دیا گیا کہ امپریل چانسلر پر شدید گولہ باری کی جائے۔ ویسے برلن کے ہر گلی کوچے میں جنگ ہو رہی تھی اور نازیوں نے تقریباً تمام عمارتوں کو مورچہ بنا رکھا تھا۔ شہر کے سوا اور مضامنی بستیوں کو لے کر خود برلن تک میں ہر طرف عمارتوں کے بلے اور فوجیوں کی لاشیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بے شمار زخمی علیحدہ تڑپ رہے تھے مگر لڑائی کا اب پورا زور ہٹلر کی امپریل چانسلری کی طرف تھا۔ آٹھویں ریڈ گارڈز آرمی نے حکم ملتے ہی ایک دم چانسلری پر قبضہ کی گولہ باری شروع کر دی جس سے آس پاس کی سرکاری عمارتیں اور خود چانسلری ہل اٹھی۔ مگر چانسلری اور اس کے لواحقین سے بھی روسیوں پر جوابی آگ برساتی جانے لگی۔ اب ٹینکوں کی جنگ نہ رہی تھی کیونکہ یہ شہر کا معاملہ تھا۔ اب تو چھوٹی بڑی توپیں گرج رہی تھیں اور رائل استعمال کیے جا رہے تھے جو انسانی خون کی ندیاں بہا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جنرل بک فوخن نے خود شہر کی سٹائی کی چانسلری

کے قریب ایک اہم مقام پر قبضہ کر لیا گیا اور اب ہلاک نمبر ایک سو باون کے پاس لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ ہلاک گٹا سپو کا مرکز تھا یہاں روسی اور نازی جان توڑ کر لڑے۔ کبھی روسی آگے بڑھ جاتے کبھی نازی انھیں پیچھے دھکیل دیتے۔ چونکہ نازی تقریباً محصور ہو گئے تھے اس لیے ان کا ایمونیشن (گولہ بارود) کم ہوتا جا رہا تھا اور وہ کفایت کے ساتھ اسے استعمال کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف روسیوں کے پاس گولہ بارود کی فراوانی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نونرزی کے بعد ہلاک نمبر ایک سو باون پر بھی روسیوں کا قبضہ ہو گیا اور گٹا سپو (جرمنی کا خطرناک مرکز) کا یہ اڈا ختم ہو گیا جس کے بعد نازیوں کی زہر افشانی بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ کیونکہ ہمیں سے ذرا سہ شہ پر حکم صادر ہوتا کہ فلاں فرد یا جماعت کو گولی سے اڑا دیا جائے یا فلاں کو زہر دے دیا جائے، ہمیں پر ہمارا ک اعظم اور موٹھے کے مجھے استادہ تھے جو دیکھ رہے تھے کہ روسی جرمنی کی تاریخ میں تیسری مرتبہ برلن میں داخل ہو رہے ہیں۔ غرض اب جلد جلد خبریں آ رہی تھیں کہ ریڈ گارڈز نے چڑیا گھر پر قبضہ کر لیا، اریس کلب کی دیواروں تک جا پہنچے۔ تمام دن بند دھنیں اور توپیں چلتی رہیں جن کے دھماکوں سے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ آخر رات آگئی اور لڑائی کا زور بھی گھٹ گیا۔ رات کو نازی افسر دفاع کی تیاری میں سرگرم رہے، دوسری طرف روسی بھی اپنی مزید پیش قدمی کے پلان بنا گئے ہیں

قبل ہی نازی ریڈیو نے اعلان کر دیا کہ وہ چھپن میں پنزر ڈیوٹن کے چھپتے آف سٹاف کی منشا کے مطابق مزید مزاحمت روک دیں گے اور ہتھیار ڈال دیں گے۔ ساتھ ہی انھوں نے روسیوں کو آگاہ کیا کہ یہ کارروائی رات کے وقت ہونی چاہیے کیونکہ گیٹوں کا حکم ہے کہ اگر جرمنی کا کوئی آدمی روسیوں کی طرف جاتا نظر آئے گا تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔

پانچ بجے روسی کمانڈر کو اطلاع ملی کہ گیٹوں کا ایک وفد آیا ہے۔ اس میں تین آدمی تھے اور تینوں سولین لباس میں تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سفید جھنڈا تھا۔ ایک باوردی اور مسلح سپاہی بھی ان کے ہمراہ تھا جسے کمرے میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ بیڑس ڈوف نازیوں کا افسر اعلیٰ نے روسی کمانڈر کو ایک خط دیا جس میں تحریر تھا کہ جنرل کریبا جو آپ سے پہلے مل چکے ہیں اب نہیں آسکتے اور ڈاکٹر گیٹوں نے خودکشی کر لی ہے لہذا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ برلن کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ نیچے ڈاکٹر فرس کے دستخط تھے جو پرو سینڈا انٹرنسٹی کا ہیڈ تھا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر گیٹوں ایک روز قبل خودکشی کر چکا ہے وہ نازی پارٹی کی ناک کا بال تھا۔ اس نے بھی ہٹلر کی طرح وصیت کی تھی کہ اس کی لاش کو پٹرول کے ذریعہ جلا دیا جائے۔ دونوں نے دنیا ہی کو اپنے لیے دوزخ بنا لیا تھا۔

بعد کو معلوم ہوا کہ نازیوں کے سمجھ دار اور قابل جنرل کریبے

مصروف تھے۔ دونوں طرف سخت بے المینافی اور اضطراب کا عالم تھا اور شہریوں کی توبہ حالت تھی کہ جیسے کا ٹو تو بدلیں میں لہو نہیں۔ بوڑھے غور ویر دست نہ ہونے سے اور دوادارونہ ملنے کے سبب بن آتی موت مر گئے۔ جنگ کی ہولناکی راتوں میں کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ بچے رات دن کی تباہ کاریوں سے گھروں میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ بچے تو آخر بچے ہی ہوتے ہیں، کسی رات کو ہر دم کی دھواں دھووں ذرا کم ہو جاتی تو گھروں سے نکل بھاگتے اور کھیلنے کے لیے تفریحی میدانوں کی طرف لپک پڑتے، والدین کو جو خبر ہوتی کہ بچے باہر نکل گئے تو کلیجہ تھامے ان کے پیچھے دوڑتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو والدین گولیوں کا نشانہ بنتے، دوسری طرف معصوم بچوں کے خشمہ جسم گولیوں سے چھلنی ہو جاتے۔ یہ جنگ کی انتہائی شقاوت و بربریت ہو گی چٹانوں کے زانہ بھی ہی ہوتا تھا اور آج کا مذہب انسان بھی یہی کر رہا ہے۔ آخر دوسری مئی کو جرمن ریڈیو نے روسی افسروں کے نام ایک پیغام نشر کیا کہ لڑائی بند کر دی جائے، بعض ڈومے دار نازی افسر روسی کمان سے کچھ بات سمیت کرنا چاہتے ہیں۔ پانچ روز روسیوں نے لڑائی بند کر دی، کمان چاہیے کہ فائرنگ روک دی گئی تھی اور نازیوں کو مطلع کر دیا گیا کہ فلاں مقام پر وہ اپنے نمائندے بھیج سکتے ہیں لیکن انھیں یہ بتا دیا گیا کہ غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات سمیت نہیں ہوگی۔ یہ ملاقات تو شدید لحد میں ہوتی ہوگی اس کے

روپے کی جائیدادیں، ساز و سامان اور صنعت گاہیں تباہ ہوئی ہیں گی۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہوگی کہ ہزاروں انسانوں کا مزید محو ہونے لگا۔ اس طرح صرف جرمنی ہی نہیں بلکہ سارے یورپ بارود کا ذخیرہ بنا رہے گا۔ ہر کسی بھی وقت بجھک سے اڑ سکتا ہے۔ نازی جرمنی کی تیسرے تہما روسیوں کا لازماً نہ تھا بلکہ اس کے دوسرے اتحادی یعنی امریکہ اور برطانیہ کی فوجی کارروائیوں کو بھی اس میں بڑا دخل تھا۔ بہر حال اس وقت تو روسی اپنے مضبوط علاقہ کے نظم و نسق کے ڈھونڈ رہے تھے اور انھیں بڑی احتیاط کے ساتھ اس ڈھونڈاری سے عہدہ برہنہ تھا۔ راتوں کو اب بھی کبھی بھی گولیاں سننا شروع نہیں اور دل دہلا دینے والی چیخ و پکار اور آوازوں کا کسی آوازیں آتی رہتیں۔ حالانکہ اعلان اور وعدے کے مطابق نازی فوج نے تقریباً تمام محاذوں پر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ لیکن تاریخ نہیں بتاتی ہے کہ کسی ملک کو فتح کر لینے کے بعد وہاں کے عوام کو بھی فتح کرنا حقیقتاً بڑا ہی دشوار کام ہوتا ہے۔



Devastation in Berlin
Soviet troops at the Brandenburg Gate

بھی خودکشی کر لی۔ بہر حال ۲۰ مئی کو چھپن ویس ڈویژن نے ہتھیار ڈال دیے اور مع ساز و سامان کے خود کو روسیوں کے حوالہ کر دیا۔ اور ہر روسی ہائی کمان نے اس کام جاری کر دیے کہ برلن چونکہ فتح کر لیا گیا ہے لہذا اب جنگ و جدال بند کر دی جائے۔

روسیوں کو اب بھی یقین نہ آ رہا تھا کہ ہٹلر اور گیبل نے خودکشی کر لی ہے لیکن جب انھیں جبریل کرب جیسے متدین آدمی نے یقین دلایا کہ ہٹلر نے تیس اپریل کو چانسری میں خودکشی کی اور یکم اور دوم مئی کے درمیان ڈاکٹر گیبل نے اپنے کو ہلاک کیا تھا تب انھیں کچھ یقین ہوا۔ البتہ یورپ اور اس کے باہر اس کے بعد بھی لوگ قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ ہٹلر زندہ ہے اور علیحدہ کر دینا کے کسی گوشہ میں روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس کس لاش کا خاکستر تھا جو تیس اپریل کو جلے ہوئے قالین میں چانسری کے اندر پڑا تھا بلکہ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہٹلر کا لوٹ جو جلنے سے بچ گیا تھا وہ بھی فاتحین کے ہاتھ لگا تھا۔

اب روسی ہائی کمان کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا تمام نازی فوج اپنے اپنے محاذوں پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں یا ان میں کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جن کا ارادہ بدستور مزاحمت اور مقابلے جاری رکھنے کا ہے اگر ایسے عناصر پھیلے رہے تو وہ اتحادیوں کے لیے مستقل عذاب بنے رہیں گے اور نون فوج کا سلسلہ بند ہوگا۔ اس کے برعکس اربوں

فیبا

برلن کی فتح کے بعد

دوسرے روز نازی جنرل ویلڈنگ روسی کمانڈر سے ملنے آیا۔ یہی وہ جنرل تھا جس کے سپر برلن کی حفاظت کا کام تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے ڈویژن نے بڑی کامیابی سے کئی مقامات پر روسیوں کو روکا تھا اور انہیں پسپا بھی کیا تھا۔ لیکن ہٹلر اور گوبل کی خود کشی کے بعد بڑے افسروں کے دل ٹوٹ گئے تھے۔ ہٹلر کی موت کی خبر اگرچہ ابھی عام نہیں ہوئی تھی پھر بھی نازی پارٹی کے سربراہوں کو اس کا علم ہو گیا تھا۔ شاید اسی سبب سے اور کچھ فوجی مجبور یوں کی بنا پر بھی جنرل ویلڈنگ نے ہتھیار ڈال دیے تھے مگر اس وقت جنرل ویلڈنگ کا روسی افسروں کے پاس ہتھیار ڈالنا تھا اس نے روسی افسروں کو اطلاع دی کہ برلن کی تمام محافظ افواج پر چونکہ اس کا حکم نہیں چلتا اس لیے ممکن ہے کہ روسیوں کو کسی مقام پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے اور یہ مزاحمت ایس ایس یونٹ ہی کر سکتی ہے جو کٹر نازیوں پر مشتمل ہے۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر فرش کا ایک وفد بھی آ گیا۔ اس نے جنرل ویلڈنگ سے کچھ بات چیت کی۔ اتنے میں مارشل زکوف کا ٹیلی فون

آیا۔ اس نے روسی کمانڈر کو کچھ ہدایات دیں۔ پھر روسی افسروں نے نازی وفد کو ایک اعلان پڑھ کر سنایا جس کی بعض شرائط بہت اہم تھیں (۱) روسی کمان برلن کی محافظ افواج کی سپر اندازی کو تسلیم کرتی ہے اور جنگ بندی کا حکم صادر کرتی ہے۔

(۲) تمام جرمن افسروں، فوجیوں، سپاہیوں اور عوام کو تفتیش کر دی جائے کہ وہ برلن کی عمارتوں، سرکاری دفاتروں، کارخانوں، مشینوں اور تمام قیمتی مال و اسباب کو صحیح و سالم رہنے دیں، اگر کسی نے ان کو تباہ کرنے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔

(۳) ڈاکٹر فرش برلن ریڈیو پر جا کر اسی وقت اعلان کریں گے تاکہ پبلک صورتحال سے باخبر ہو جائے۔

(۴) تمام نازی افسروں، سپاہیوں اور شہریوں کی جان و مال کی گارنٹی دی جاتی ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ زخمیوں کی بھی خبر گیری کی جائے گی۔

(۵) روسی فوج کا مطالبہ ہے کہ برلن کے افسروں، فوجیوں، یا شہریوں کی جانب سے کسی قسم کی اشتعال انگیزی نہ ہو ورنہ اس کا سخت بدلہ لیا جائے گا۔ یہ شرائط سخت نہ تھیں لہذا جرمنی کے وفد نے انہیں تسلیم کر لیا۔

اس سے فارغ ہو کر جرمن وفد کو روسی افسروں نے ہدایت کی کہ ڈاکٹر فرش سے اسی وقت ایک حکم نامہ جاری کرنے کو کہیں جس میں

یہ ہدایت ہو کہ جرمنی کی تمام افواج جہاں کہیں بھی ہوں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں، ریڈیو پر تمام شرائط کا اعلان کر دیا جائے اور یہ بھی جتنا دیا جائے کہ ان شرائط میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں اور ساری شرائط نازیوں کو تسلیم کرنی پڑیں گی، روسی بھی ان پر عمل کریں گے۔ روسی افسروں کو جنرل کریگ کی خودکشی کا افسوس ہوا۔

بہر حال اب نازی ازم کا زبردست اڈا تباہ ہو چکا تھا۔ ہٹلر کو گول گورنگ، ہارمن جیسے سرفہ ختم ہو گئے تھے۔ مگر شاید ابھی تکلیف نازی ازم کا صفایا نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ ایک اور جذبہ، جو اپنی شدت میں کسی دوسرے جذبہ سے کم نہ تھا، پیدا ہو گیا تھا۔ یہ جذبہ تھا وطن پرستی کا۔ جس نے وطن پرستوں میں ایک عام خیالی قائم کر دیا کہ شہر جرمنی کا ہیرو تھا اور وہ ایک ہیرو کی موت مرا۔ اس کے علاوہ نوجوان جرمن جب اتحادیوں کے ہاتھوں برلن کی تباہی کا تصور کرتے تو ان کا خون کھولنے لگتا اور رگوں میں ایک جذبہ انتقام جوش مارنے لگتا۔ مگر اب انتقام کا وقت گزر چکا تھا۔

اب توجہ کچھ رہ گیا تھا اسی کو سنبھال کر رکھنا تھا تاکہ ترقی کی راہیں کھلی رہ سکیں۔

ہٹلر نے اپنی زندگی ہی میں حکم دے رکھا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے برلن کو کسی قیمت پر بھی ساتھ سے جلنے نہ دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اتحادیوں نے برلن پر یلغار کی تو ایک طرف تو نازیوں نے

امریکہ اور برطانیہ کا ایسا شدید مقابلہ کیا کہ کشتیوں کے ٹپتے لگا دیے خود نازیوں کے بے شمار آدمی مارے گئے مگر انھوں نے مورچے نہیں چھوڑے یہاں تک کہ ٹینک انھیں کھلتے ہوئے ٹھک گئے تھے، دوسری طرف انھوں نے روسی حملہ آوروں کے پھٹے پھڑا دیے تھے۔ کئی بار تو نازیوں کے جوانی حملوں سے روسیوں کے پیر اکھڑ گئے تھے۔ روسیوں پر اگر شالین گراڈ اور دوسرے محاذوں پر جرمنی کے ہاتھوں شکست کھانے کا انتقامی جذبہ طاری نہ ہوتا تو شاید وہ برلن کو فتح کر سکتے۔ اور اگر کرتے بھی تو انھیں بہت وقت لگتا۔

پھر جرمن افواج میں نوجوان لڑکوں کی اکثریت تھی جو فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے ۱۹۳۹ء سے اپنے ملک کی فتوحات دیکھ رہے تھے۔ ان میں برتری کا ایک جذبہ تھا ساتھ ہی جرمنی میں فوجی تربیت کا ایک آسان اور نہایت موثر طریقہ رائج تھا جس کی وجہ سے چند ہی ہفتوں میں یہ نوجوان ہر قسم کے پیچیدہ اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت حاصل کر لیتے اور ان کے استعمال میں بڑوں بڑوں کے کان کترنے لگتے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ایک دفعہ کسی مورچہ پر سے اتحادیوں نے ایک دو جرمن سپاہیوں کا انگوٹھا لیا۔ ان سے پوچھ گچھ کی گئی مگر انھوں نے کچھ نہیں بتایا بلکہ اپنے جوش و خروش کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کل کر اتحادیوں نے انھیں گولی مار دی حالانکہ ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کرنا مناسب تھا۔ لیکن ایک عرصہ

تنگ لڑتے لڑتے اور جرمنی کے ہاتھوں شکست اٹھاتے اٹھاتے اتحاد دلوں کے تمام کردار اتنے گر گئے تھے کہ ان کا مزاج وحشیانہ ہو گیا تھا۔ عورتوں اور بچوں کے تحفظ کا جذبہ تک ان کے دلوں میں تقریباً سرور پڑ گیا تھا۔ — یہ جنگ کے زمانہ کی صورت حال تھی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد اکثر اقدار بدل جاتی ہیں اور ان کی منحوس تبدیلیوں کا تماشا دینا آج تک دیکھ رہی ہے۔

پاس تو جنرل ویلڈنگ کافی دیر تک روسی فوجی افسروں کے پاس ہوا پھر ان کے ایمپراس نے شہریوں اور جرمنی کی افواج کے تمام ایک عظیم نامہ جاری کیا کہ قیوردر اہنسل ڈاکٹر گیوبل، بارمن وغیرہ نازی پارٹی کے بچوں کے لیڈر مل چکے ہیں، ہمارے پاس ایمنیشن کا ذخیرہ بھی تقریباً ختم ہے۔ ان حالات میں جنگ جاری رکھنے سے اب کوئی فائدہ نہیں لندا اسے حکم سمجھا جائے یا اپیل کہ جنگ بند کر دی جائے۔ کس قدر جرات مندی تھی کہ یہ وہی مغرور اور خود ستا نازی تھے جو خود کو افضل ترین نسل اور ناقابل توخیر قوم سمجھتے تھے اب ایک طرف تو امریکہ اور برطانیہ کے آگے ہتھیار ڈال رہے تھے دوسری طرف روسیوں کے سامنے! دستخط کے آگے ویلڈنگ نے خود کو سابق کمانڈر برلن افواج لکھا تھا۔ بدوسی افسر نے اسے کاٹ کر حال کمانڈر برلن افواج کر دیا۔ یہ گویا رواداری کا ایک ثبوت دیا گیا تھا۔ بہر حال اس حکم نامہ کی بارہ نقلیں تیار کی گئیں تاکہ دوسرے نازی افسروں کے پاس روانہ کر دی جائیں

ساتھ ہی لاؤٹسپیکر کے ذریعہ پورے شہر اور محاذوں پر یہ حکم پڑھ کر سنا دیا گیا تاکہ شہری اور فوجی دونوں باخبر ہو جائیں اور اس کی تعمیل کریں۔ اس آئنا میں ڈاکٹر فرشی بھی حبیپ میں آہنچا۔ وہ میاں قد اور گھٹے ہوئے بدن کا انسان تھا۔ اسے بھی وہ حکم نامہ پڑھ کر سنا یا گیا۔ اور بتایا گیا کہ روس چاہتا ہے کہ مہرلن میں مکمل امن قائم ہو جائے۔ ڈاکٹر فرشی نے تجویز پیش کی کہ امن کی بحالی کے لیے مہرلن کی پولیس کافی ہے لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پولیس کی سیٹیت اب جنگی قیدیوں کی سی ہے اس لیے نظم و نسق کی خاطر ہماری (روسی) فوج اور مہرلن کے شہریوں کے درمیان تعاون کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر فرشی نے اس سے اتفاق کیا۔ مرنایا کیا نہ کرتا۔ آخر ڈاکٹر فرشی سے دریافت کیا گیا کہ کیا ڈوینر نے نازی پارٹی کی لیڈر شپ سنبھال لی ہے اور اس کے عزائم یہ ہیں کہ دوم آخر صرف بوشوویکوں سے لڑتا رہے گا۔ بلکہ امریکہ اور برطانیہ سے بھی جنگ آزما کر تار سے گا؟ مگر ڈاکٹر فرشی نے ڈوینر کے بارے میں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ غرض مہرلن کی حالت غیر یقینی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا کہ ممکن ہے ہٹلر، گوٹیل، ہملر اور باؤمن روپوش ہو گئے ہوں اور ان کی خودکشی کی افواہ غرض ایک چال ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو کیا کر سکتے تھے وہ تو اب بے دست و پا ہو چکے تھے، نازی نظام ختم ہو چکا تھا۔ فوج سپہ انداز ہو چکی تھی اور مہرلن مسخر کر لیا گیا تھا اس صورت میں اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو روپوش

برلن میں آخری فائرنگ

ہٹلر کی فوج کے وفادار دستے یعنی ایس ایس یونٹ نے بھی اب ہتھیار ڈال دیے تھے کیونکہ اس کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تھا وہ اب تنگ ایمریل چانسری اور نازی پارٹی کے باقیات کی حفاظت کرتا رہا تھا مگر اب صورت حال یہ تھی کہ اس قدر شکست و آہن ساقی نہ اندر برلن کی چند گھنٹے پہلے کی طوفانی فضا پر اب ایک نیا قابل یقین سکوت طاری تھا۔ البتہ دور ایک دے ہوئے مورچہ پر سے اب بھی روسیوں پر فائرنگ کی جا رہی تھی۔ یہ گویا برلن کے طویل رقبہ میں آخری فائرنگ تھی۔ آخر یہ طویل اور قیامت خیز جنگ ختم ہو کر رہی اور دنیا کو کتنی ہی خونریز اور انسانی خون کی پیاسی منتر لیں ملے کر کے ایک وقفہ امن مل گیا۔ تاکہ پھر کسی تیسری جنگ کی تیاری کا آغاز کیا جاسکے۔

انسان کا تھوڑا کس قدر سستا ہے اس کا اندازہ دوسری جنگ عظیم میں مرنے والوں کی صحیح تعداد سے لگایا جاسکتا تھا لیکن کسے معلوم ہے کہ دنیا کے کس کس حصے میں کتنے لوگ اپنے گھروں کو واپس نہ ہو سکے جنگ

ہو کر جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے سوا کیا کر سکتے تھے وہ بھی اپنا ہیکہ اور بھینس بدل کر کیونکہ ہٹلر نے سارے زمانے کو اپنا دشمن بنالیا تھا اسے کوئی ملک یا قوم پناہ دینے کی روادار نہ تھی۔ برلن کے شہری بھی اب امن و امان کے خواہاں تھے اور شہر کی فضا اب انہی کے تعاون سے چر سکون نظر آ رہی تھی۔



Berlin Fall

ہیروشیما

امریکہ دوسری جنگ عظیم میں کوڈ تو پڑا تھا مگر آگے چل کر وہ سخت مصیبت میں پھنس گیا۔ اول تو اسے جنگ میں اپنی شمولیت کے تھوڑے ہی عرصے بعد احساس ہونے لگا کہ یورپ میں مختلف محاذوں پر اس کا مقابلہ جن جرمن افواج سے ہوا وہ نہ صرف بہت تجربہ کار اور منظم تھے بلکہ ان کے (جرمنوں کے) پاس جدید ترین اسلحہ بھی تھے۔ یہ ایسے اسلحہ تھے کہ اگر وہ کسی محاذ پر امریکیوں کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ انہیں استعمال کرنے سے قاصر رہ جاتے کیونکہ ان کی ٹیکنیک بالکل مختلف تھی جس سے اتحادی ناکشتہ تھے۔ اس کے علاوہ ہٹلر نے ایک ہوا اور چھوڑ رکھا تھا جو مخفیہ ہتھیار کے نام سے موسوم تھا۔

بہر حال جنگ میں شامل ہونے کے بعد امریکہ خاصی دشواریوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک طرف تو یورپ میں اسے جرمنوں سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ دوسری جانب افریقہ میں بھی جنگ آرمودہ جرمن ہی اس کے مد مقابل تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جرمنوں کے مقابلہ میں اتحادیوں کی افواج ہمارت و تجربہ میں کچھ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ

میں پھنسے ہوئے ملکوں نے اپنے اپنے مرنے والوں کی جوتعدا دینا ہی ہے وہ ان کے نزدیک درست ہوگی۔ مگر ان میں ان گنت ایسے لوگ شامل نہیں ہیں جو گولوں اور گولیوں کا نشانہ نہیں بنے بلکہ تکان، بھوک، پیاس، بیماری اور ناقابل برداشت شداید سے مر گئے۔ ان کی سچ تک گفتی نہ ہو سکی۔ غنا صرف فطرت اور دوسری تباہ کاریوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آفتیں ہیں جو انسانوں کو مار کر رکھ دیتی ہیں۔ مگر جنگ کی ہولناکی سب سے بڑی ہولناکی ہے۔ خدا بنی نوع انسان کو اس سے محفوظ رکھے۔



Berlin Fall

نے ہاتھوں نہ معلوم کہاں کہاں انھیں موت کے گھاٹ اتارنا پڑے۔
بہر حال یہ جنگ امریکہ کو اپنی پوری طاقت سے جاری رکھنا تھی
تا کہ کسی طرح اس کا خاتمہ ہو سکے۔

اودھراجاپان نے ہندوستان کے شمال مشرقی علاقوں کو بھی
زندہ نا شروع کر دیا تھا اس سے انگریزوں کو ہوتے چلے جا رہے تھے
جاپان نے رپلس جیسے عظیم جنگی جہاز کو غرق کر کے اتحادیوں پر اپنی زبردستی
بھاک بٹھا دی تھی۔ اس زمانہ میں انگریزوں کا راج کشمیر سے لے کر برما
در ملایا و حال ملائیشیا کے آگے تک تھا۔ مگر یہ سارے علاقے جاپان
نے روند ڈالے تھے اور ہندوستانی فوجیں ان کی یلغار کی تاب نہ لا کر
یہی طرح پسپا ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ جاپانی مشرقی
پاکستان تک آ پہنچے کیونکہ سنگاپور، ملایا اور برما انگریزوں کے
تھلوں سے مکمل چلے گئے۔

غرض ایشیا میں جاپان نے انگریزوں اور امریکیوں کی ناک میں
ہم کر دیا تھا اور ایسے آثار پیدا ہونے لگے تھے کہ جاپان کے ابھرتے
سورج کی دھوپ پورے ایشیا پر پھیل کر رہے گی یہ ۱۹۴۵ء کے
واقعات ہیں جب یورپ میں جرمنی اور اتحادیوں میں جنگ ختم ہو
چکی تھی اور شہلہ بھی زندہ تھا۔ آخر مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۴۵ء
کے اوائل تک مغرب کی جانب سے اتحادیوں کی فوجیں اور مشرق
کا طرف سے روسی افواج جرمنی میں داخل ہو گئیں اور نازی سے

ابتدائیں اتحادیوں کو شدید جانی اور حربی نقصانات اٹھانے پڑے۔
بہر حال اب تو امریکہ کو یہ سب کچھ برداشت ہی کرنا تھا۔ لہذا
وہ برابر یورپ و افریقہ میں اپنی فوجیں بھونکنے جا رہا تھا۔ لیکن ایشیا
میں جنگ کا نقشہ ہی دوسرا تھا۔ یہاں اس کا مقابلہ براہ راست ایک
بڑے اور اپنے وقت کے طاقت ور دشمن سے تھا۔ ویسے تو امریکہ کو
جاپان کی قوت کا اندازہ پہلے ہی کے واقعہ ہی سے ہو گیا تھا۔ مگر جنگ
عظیم میں پچھنس کر اس کی فکر ایشیا کی اس عظیم طاقت سے ہوئی تو اسے
دن میں نارسے نظر آنے لگے۔ پچھلے ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ
جاپانی مادر وطن کی خاطر جان دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے
جس کے برعکس امریکی سپاہی جان کی بازی لگا کر لڑنا تو ضرور تھا مگر
دل کی گہرائیوں میں اسے یہ احساس بھی تھا کہ سرزمینِ غیر میں بے مقصد
جان دینا کوئی اہم کارنامہ نہیں۔ شاید یہ حسرت پسند اور جلد آور فوج
کے دل میں اسی قسم کا احساس ہوتا ہے۔ بہر طور امریکی فوج اور افسرین
پسند ہونے کے سبب جنگ کے لیے سر دھڑکی بازی لگا کر کسی خاص
جوش کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف جاپانی بغیرا لیشیہ
سو وریاں میدانِ جنگ میں جس طرح جان دینے کو جوق در جوق بڑھتے
تھے اس کا اثر امریکی فوج کے مورال پر ٹرٹانا گزیر تھا۔ یہی وجہ تھی
کہ امریکی اپنے مرنے والوں کی تعداد سے کمین زیادہ جاپانیوں کو مار
کر بھی مطمئن نہ ہوتے اور انھیں ہر دم یہی دھڑکا لگا رہتا کہ جاپانیوں

دنیا کی کسی جنگ میں نہ ملے۔

غرض دنیا ایک خوش فہمی میں مبتلا رہی۔ لیکن کسی نے جو کچھ سوچا تھا اس میں سے کچھ بھی نہ ہوا بلکہ امریکہ نے وہ کر دکھایا جس کی طرف دنیا کا دھیان تک نہ جاسکتا۔

ایک دن جاپان کا مشہور شہر ہیروشیما حسب معمول زندگی سے معمور تھا کہ آسمان پر ایک امریکی ہوائی جہاز نمودار ہوا جو کوئی انتہا عجیب بات نہ تھی۔ امریکی ہوائی جہاز بم برسائے آتے ہی جاتے رہتے تھے لیکن آج ہیروشیما والوں نے اس ہوائی جہاز میں ایک عجیب

قسم کا بم دیکھا۔ اس سے جو چمک خارج ہوئی وہ چمکیلے سورج سے بھی کمین زیادہ تیز تھی اور جس کی چمک سے سینکڑوں آدمی اندھے ہو گئے۔ شہریوں کی حیرانی ابھی ٹنڈے بھی نہ پا ئی تھی کہ ایک ہلکا دھماکا ہوا جیسے کئی ہزار توپیں یکبارگی سر کی گئی ہوں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے

بے شمار مکانات اور شجر و جھرتیوں کی مانند ہوا میں اڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس بم کا دھواں جس کی شکل ایک درخت جیسی تھی، قنارک برج کے ساتھ چھٹ کر پھیلا اور ہوا میں اس ہلکا حدت و گرمی پیدا ہو گئی گویا ایک ساتھ کئی سورج زمین پر اتر آئے ہوں۔ پھر کیا تھا

ہر طرف آگ ہی آگ، شعلوں کے متلاطم سمندر، جن میں انسان کی تو با حقیقت تھی پتھر کی چٹانیں اور لوہے کی چادریں اور ستون بھی جل کر پانی ہو گئے۔ یہ ایٹم بم تھا جسے امریکہ نے صحرا بے پھاڑوں پر

برلن کی طرف بڑھنے لگیں۔ ہٹلر نے گھبر کر اپنے ایشیائی حلیف جاپان کو پیغام بھیجا کہ وہاں امریکیوں کا پیچھا نہ چھوڑے اور جاپان نے بحر الکاہل میں امریکہ کے خلاف جنگ کو شدید سے شدید تر کر دیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اس سے برلن کی طرف امریکہ کی پیش قدمی پر کوئی اثر نہ پڑا یہاں تک کہ بعد خوزیری بسیار برلن فتح ہو گیا اور اسی دوران ایک طرف تو ہٹلر نے خودکشی کر لی، دوسری طرف اس کے نامور ساتھیوں نے۔

ہٹلر اور جرمنی کے خاتمہ کے بعد یورپ میں تو جنگ ختم ہو گئی۔ مگر ایشیا میں ابھی جاپان کی جنگ برابر جاری تھی اور بحر الکاہل میں امریکی مفاہد دستور جاپان کے ہاتھوں تباہ ہو رہا تھا۔ وہاں پھنسے ہوئے امریکی بحریہ کے جنگی بیڑے پر جاپانیوں کی مسلسل مار پڑ رہی تھی اس سے امریکہ اکتا گیا تھا اور عاجز آکر سوچتا تھا کہ کس طرح اس سے پیچھا چھڑائے یہ حالات دنیا کے دوسرے ملکوں کے بھی علم میں تھے اور وہ اس امر سے بھی ناخبر تھے کہ اگر امریکہ چاہے گا تو اپنی پوری فوجی طاقت کا رخ بحر الکاہل کی طرف موڑ کر جاپان کو شکست دے سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات کسی کے وہم میں آ بھی نہ سکتی۔ کسی کو سامان اور گمان تک نہ ہو سکتا کہ امریکہ عام جنگی اسلحہ کو بالائے طاق رکھ کر جنگ ختم کرنے اور ایک برابر کی مکر لینے والی قوم کو تباہ کرنے کے لیے کوئی ایسا انسانیت سوز قدم بھی اٹھا سکتا ہے جس کی نظیر



آدم بخور شیر

پاکستانی جم کاربٹ قمر نقوی
تھے

بیس سالہ شکاری زندگی کا پٹھوڑا

جنھوں نے بھوپال کے مضافات میں قیامت برپا کر رکھی
تھی اور بڑے بڑے شکاریوں نے ان کے آگے گھٹنے
ٹیک دیئے تھے۔ آخر قمر نقوی نے جان جو کھوں میں ڈال

انھیں ہلاک کیا۔ شکار کے موضوع پر

نہایت دل چسپ اور لرزہ خیز کتاب!

ذی قعدة

★

نہیں چھوڑا تھا بلکہ انسانوں سے بھرے ہوئے شہر ہیروشیما پر گرایا
تھا۔

یہ ایٹم بم آج کے ایٹم بم کے مقابلے میں کئی گنا کم زور تھا پھر بھی
اس نے ہیروشیما کے اسی ہزار باسیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا اور جو
لوگ بچ رہے وہ طرح طرح کی لاعلاج و ٹمک بیماریوں کا شکار ہو
گئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بیماریاں ان کی کئی پشتوں تک منتقل
ہونے والی تھیں۔

یہی شہر امریکہ نے جاپان کے دوسرے شہر ناگی سا کا کا بھی کیا جس
کے بعد جاپان کیا، دنیا کی کسی طاقت کے بھی میدان میں ٹھہر سکنے کا امکان
نہ تھا۔ یہ تھا ہٹلر کا خفیہ ہتھیار جسے اس نے یورپ کی گوری فیل پر
نہیں گرایا۔ شاید وہ خدا سے ڈرتا رہا مگر اس کی موت کے بعد فاسخ
امریکہ نے اسے ایشیا پر گرایا۔ شکر ہے کہ ایٹم کے راز پر کسی ایک
ملک کی اجارہ داری زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی ورنہ پوری دنیا
کسی لمحہ بھی ہیروشیما بن جانے کے خطرات میں مبتلا رہتی۔

غذا اور صحت

تندرست رہنے کے لیے آجی غذا کی ضرورت ہے اور آجی غذا وہ ہے جو کھانا ان پھر یعنی اس میں وہ تمام غذائیں اور معدنی اجزاء مناسب مقدار میں موجود ہوں جن سے جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں غذا اور غذائیں پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور غذائیں کی سی رہنمائی شدہ امراض کے علاج مختلف غذاؤں سے تجویز کیے گئے ہیں۔

ورزش اور صحت

تندرستی کے لیے صحت بخش غذا کے علاوہ ورزش بھی ضروری ہے اور ورزش کے لیے آپ کو کسی اگلا سے میں بدلنے کی ضرورت نہیں۔ آپ گھر پر ہی روزانہ صرف دس منٹ یہ کچل کچل کر آسان ورزش کر کے پٹے جسم کو پانی و موج بندہ، شول اور متناسب بنا سکتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ ورزشیں دی گئی ہیں اور ہر ورزش کو تصویروں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔

میک اپ اور حسن

میک اپ تو سبھی عورتیں کرتی ہیں لیکن سلیف کی کسی کو آتا ہے۔ میک اپ ایک آئٹم ہے۔ اس کی بدولت ایک عام اور سادہ سے عورت کو دلکش اور مہر کہیے بنا دیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب میک اپ کی ایک ماہر خاتون کے تجربات پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے آئینہ حسن کے تقریباً تمام ٹکڑے عورتوں کے لئے روزمرہ کی حسن و جوانی کو قائم رکھنے کے گہری بتائے ہیں۔



Berlin Fall